میرے اچھے چاند

شازیہ جمال نئیر

مکمل ناول

شازیہ جمال نیر

میرے اچھے چاند

اسلام آباد کا سہ روزہ بزنس ٹرپ اس کی توقع سے زیادہ شاندار رہا تھا وہ ایک گہری اطمینان بھری سانس فضا کے سپرد کرتا آفس سے باہر نکل آیا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد اس نے موبائل اٹھا کر ان باکس کھولا۔ اس کی ہمیشہ سے عادت رہی تھی کہ رخ کے ساتھ ٹیکسٹ چیٹنگ کرتے وقت اس کے میسجز پڑھنے کے بعد ڈیلیٹ کرنے کی بجائے ان باکس میں رہنے دیتا بعدازاں پڑھے ہوئے میسجز دوبارہ انجوائے کرکے ڈیلیٹ کردیتا۔

"تمہارا گلا خراب ہے کوک مت پینا۔" اسلام آباد پہنچنے کے فوراً بعد اس کا پہلا ٹیکسٹ موصول ہوا تھا۔

"پیکنگ کرتے وقت تم آف وائٹ شرٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی رکھنا بھول گئے تھے تم اس شرٹ کے ساتھ گرے ٹائی باندھنا بہت سوٹ کرے گی۔"

دوسرے روز میٹنگ میں جانے کے لیے تیار ہوتے اس نے آف وائٹ شرٹ کے ساتھ گرے ٹائی باندھ لی تھی۔

"راستے میں کچھ مت کھانا۔ میں تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے چکن پلاؤ پکا رہی ہوں۔ مل کر لنچ کریں گے۔" صبح نو بجے موصول ہونے والے اس پیغام کو اس نے دوبارہ پڑھا تھا اور ڈیلیٹ کیے بغیر موبائل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ بالوں میں انگلیاں چلاتا وہ بہت مگن انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔

اسی اثنا میں ڈیش بورڈ پر پڑا موبائل گنگنا اٹھا۔ گھر کے نمبر سے کال آرہی تھی۔ اس نے قدرے حیران ہوتے ہوئے کال اوکے کرکے موبائل کان سے لگالیا۔ دھیان سارا ڈرائیونگ کی طرف تھا۔

"ہیلو...!" اس کی آواز سنتے ہی دوسری طرف برکت بوا رونے لگی تھیں۔

"بوا! کیا ہوا ہے؟" اس کا دل کسی انہونی کے احساس سے لرزا تھا۔

"ماہ رخ... ہماری ماہ رخ بیٹا کو..." اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"کیا ہوا ہے رخ کو؟" اس کے لبوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ دوسری طرف بوا زاروقطار روئے چلی جارہی تھیں۔

"فار گاڈ سیک بوا! مجھے بتائیں کیا ہوا ہے رخ کو؟" وہ وحشت زدہ ہوکر چلایا تھا۔

"بریک ڈاؤن... نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے اسپتال لے کر گئے ہیں۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ ماہ رخ بیٹا ٹھیک نہیں ہے۔" اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک بری طرح پسینے میں نہا گیا۔ اس نے زندگی میں اتنی تیز ڈرائیونگ کبھی نہیں کی تھی۔ کتنے سگنل توڑے، کتنی بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا، کتنی بار لوگوں کے منہ سے چیخیں بلند ہوئیں اسے کچھ خبر نہ تھی۔

اسپتال کی پارکنگ میں گاڑی پارک کرنے کے بعد اندھا دھند بھاگتے ہوئے اس نے درمیانی فاصلہ طے کیا تھا۔

"مما...!" ویٹنگ روم کے بنچ پر مما ساکت بیٹھی تھیں۔

"ممّا! مجھے اپنی رخ چاہیے۔ بالکل ویسی جیسی میں چھوڑ کر گیا تھا۔ صحیح سلامت! اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ لمبا چوڑا بھرپور مرد مما کی گود میں منہ چھپائے بچوں کی طرح رویا تھا۔

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر جہاں زیب کے قدم ان کے قریب آن ٹھہرے۔ وہ بابا کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ اس نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر ان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا اٹھ کر کھڑا ہونے میں بہت مشکل پیش آئی تھی اسے۔

"سخت ذہنی صدمہ پہنچا ہے اسے۔ ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں۔ دعا کریں ان بارہ گھنٹوں میں اسے ہوش آجائے ورنہ کچھ بھی غیر متوقع ہو سکتا ہے۔" کچھ الفاظ کتنے بے رحم ہوتے ہیں۔ ننگی تلوار جیسے! روح کو گھائل کرتے۔

"جہاں زیب انکل! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"یہ ابھی ممکن نہیں ہے۔"

"پلیز انکل!"

"بیٹا! اس کی کنڈیشن۔۔۔"

"انکل! صرف ایک بار۔۔۔"

"او کے!"

میری زندگی کے بدترین لمحات میں سے ایک تمہیں اس حالت میں دیکھنا ہے۔ سفید چادر اوڑھے' بے خبر زرد چہرے پر پلکیں موندے یہ وہ والی رخ تو نہیں تھی جسے وہ ہمیشہ سے دیکھ دیکھ کر جیتا آیا تھا۔

"رخ! آنکھیں کھولو!" اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"ایک بار آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھو رخ! صرف ایک بار۔۔۔" اس کے لب خاموش تھے۔

"تم نے کہا تھا کچھ مت کھانا ہم ایک ساتھ لنچ کریں گے۔ دیکھو تم نے کھانے سے منع کیا تھا' میں نے تو پانی تک نہیں پیا۔ میں صبح سے بھوکا ہوں۔" اس کی آنکھ سے پہلا آنسو ٹوٹ کر گرا اور اسی وقت رخ نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے محمد خان کا دوسرا آنسو نہیں گرنے دیا تھا۔

"محبت کیا ہے رخ؟"

"محمد خان کی مسکراہٹ!"

"اور زندگی؟"

"محمد خان کی آنکھیں!"

"اور کائنات؟"

"محمد خان کی ذات!"

پوری کائنات آنکھوں میں سمیٹے اس نے پلکوں کا پردہ گرا دیا تھا۔

ڈاکٹر متحرک ہو گئے۔ اس کے کندھے پر ڈاکٹر جہاں زیب کے ہاتھوں کا دباؤ بڑھا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

ماہ رخ نے ایک نظر منہ پر دوپٹا رکھے اونگھتی برکت بوا کو دیکھا اور پاؤں میں چپل اڑستی چپکے سے باہر نکل آئی۔ اس گھر میں آئے اسے پورے چار دن ہو گئے تھے اور یہ چار دن اس نے بوا کے ساتھ اس کمرے میں ہی گزار دیے۔ تین وقت کا کھانا' دودھ' پھل' جوس وغیرہ سب اسے کمرے میں مہیا کیے جا رہے تھے۔ انتہائی قیمتی ساز و سامان سے مزین یہ کشادہ کمرہ خاص طور پر اس کے لیے سیٹ کیا گیا تھا۔ وال ٹو وال دبیز کارپٹ' گلاس ونڈو کے سامنے سنہری ڈور سے بندھے نفیس پردے' بیش قیمت گل دانوں میں مہکتے خوب صورت پھول' نرم و گداز کشنوں سے سجا لکڑی کا منقش جھولا! غرض اس کی عمر کے حساب سے اس کے ذہن و دل پر خوش گوار تاثر چھوڑتا بھرپور ماحول اسی کمرے میں سمویا گیا تھا۔

بابا اور بوا کے اصرار کے باوجود وہ خود کو اس کمرے سے باہر جانے پر آمادہ نہیں کر پائی تھی۔ اس کی ذہنی اور قلبی حالت کو دیکھتے ہوئے بابا نے مزید فورس کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بوا تو تھیں ہی اس کی رضا میں راضی ہو جانے والی!

یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ اب کھانے پینے کے معاملے میں انہیں زیادہ پریشان نہیں کر رہی تھی۔ رات میں اس کی پلکیں لحہ بھر کے لیے آپس میں جڑتیں اور نیم غنودگی کی سی کیفیت میں کروٹ بدلتے اس کے لبوں سے سسکاری نکلتی۔ "اماں" اس کے ساتھ نیم دراز بوا اپنی پلکوں کی منڈیر پر بیٹھے نیند کے پنچھی کو پھر سے اڑا کر زیر لب دعائیں پڑھتی اس پر پھونکنے لگتیں اور ساری رات اسی سوتی جاگتی کیفیت میں گزر جاتی۔ صبح کی نماز و تسبیحات سے فارغ ہو کر بوا کی بوجھل پلکوں نے کھلنے سے انکار کیا تو وہ منہ پر دوپٹا رکھے اونگھنے لگیں۔ (لاشعوری طور پر نیند میں ڈوبا ذہن اب بھی اپنے پہلو میں سوئی دس سالہ ماہ رخ میں اٹکا ہوا تھا) احتیاط سے دروازہ بند کرنے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بغیر سمت کا تعین کیے آگے بڑھی۔

جب اماں ستاروں بھرے آسمان تلے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر شہزادی گل جبیں اور اس کے شاہی محل کی کہانی سناتیں تو وہ سوچتی دنیا کی سب سے خوب صورت جگہ شہزادی گل جبیں کا محل ہو گا۔ وہ تصور میں ہی کئی بار خود کو اس محل میں گھومتا پھرتا دیکھ چکی تھی۔ لیکن اماں کی وفات کے سترہ روز بعد بابا کی شیروالی کوٹھی میں پہلا قدم رکھتے ہی اسے لگا جیسے وہ واقعی شہزادی گل جبیں کے شیش محل میں آگئی ہو۔ تب اس پر شکوہ کوٹھی کو نظر اٹھا کر دیکھنے کے بعد اماں کی دائمی جدائی کے صدمے سے بے حال وہ بوا کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے نظریں جھکا کر ماربل کے چمکتے فرش میں اپنا عکس دیکھتی گزر گئی تھی۔ دوسرے دن بابا نے کہا۔

"آؤ ماہ رخ! تمہیں تمہارا گھر دکھاؤں۔" لیکن وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بے آواز روتی رہی۔ بابا مزید اصرار ترک کر کے اسے پیار کرتے بوا کو اس کا ڈھیر سارا خیال رکھنے کی تاکید کرنے کے بعد باہر چلے گئے تھے ان چار دنوں میں بوا بھی وقتاً" فوقتاً" اسے باہر کھلی فضا میں سانس لینے' گھوم پھر کر گھر دیکھنے پر اکساتی رہیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی بیٹھی رہی۔ اس کا دل ہی نہیں چاہا تھا لیکن آج الٹی سیدھی سوچوں میں الجھتے دل کی گھبراہٹ سوا ہوئی تو وہ اٹھ کر باہر آگئی۔ ماربل کے چکنے فرش پر پاؤں جما جما کر چلنے کے باوجود اسے اچھی خاصی دقت ہوئی تو سلیپر اتار کر ننگے پاؤں چلنے لگی۔ راہداری میں سے گزرتے اس نے یونہی ایک دروازے کو ہلکا سا پش کیا تو وہ پوری طرح کھل گیا۔

کمپیوٹر کے سامنے کام میں مصروف گہری کالی آنکھوں والے خوبرو لڑکے نے گردن موڑ کر قدرے حیرت اور ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ ماہ رخ بری طرح گڑبڑاتے ہوئے واپس مڑی اور پورا زور لگا کے دروازہ کھینچا جو زوردار ٹھاہ کی آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔

"اف! نجانے کون تھا وہ؟ اور میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔ اس کی آنکھوں میں کتنا غصہ تھا جیسے مجھے۔۔۔" اس نے تقریباً" بھاگتے ہوئے راہداری طے کی تھی۔ آخری سرے پر پہنچتے ہوئے یونہی گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ ماہ رخ بری طرح سٹپٹاتی گول زینے کی جانب بڑھ گئی۔ دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھنے کے باوجود اسے لگ رہا تھا وہ

یقیناً "اس کے تعاقب میں آرہا ہے۔ اب کی بار وہ بنا مڑ کر دیکھے سامنے آنے والا پہلا دروازہ کھول کر جلدی سے اندر گھس گئی اور پہلے والی غلط دہرانے کی بجائے احتیاط سے دروازہ بند کردیا۔

"ہاؤ! اتنا ڈھیر سارا گلابی پن!" اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ بیڈ شیٹ' کارپٹ' پردے' کشن کور گدے وغیرہ سب ہلکے گلابی رنگ کے تھے تب ہی اس کی نگاہ بیڈ پر سوئے بچے پر پڑی تھی۔ وہ آہستگی سے قدم اٹھاتی بیڈ کے قریب آگئی۔ گلابی کاٹن کے ہلکے پھلکے کپڑوں میں معصوم فرشتہ محو خواب تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ تب اسے یاد آیا دو ماہ پہلے ہی تو اماں نے اسے بتایا تھا کہ بابا نے شہر میں دوسری شادی کرلی ہے۔ نئی امی اپنے ساتھ منا بھی لائی تھیں تو اماں اس گلابی گڈے کی بات کررہی تھیں۔ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھی وہ مبہوت سی اس کا ایک ایک نقش دیکھتی رہی۔

اس کے گلابی نیم وا ہونٹ' نرم پھولے پھولے رخسار' آپس میں جڑی گھنی پلکیں! بے اختیار اس کا دل چاہا وہ اسے اتنا پیار کرے اتنا پیار کرے کہ بس اسے اپنے دل میں اس روئی کے گالوں جیسے بچے کے لیے محبت کے سوتے پھوٹتے محسوس ہوئے نجانے کتنا وقت بیت گیا وہ دیوانوں کی طرح اس کے ایک ایک نقش کو اپنی آنکھوں میں جذب کرتی رہی۔ پھر قدرے آگے کو ہو کر اس کے ننھے منے گلابی پیروں پر اپنے لب رکھ دیے۔

"میرا چاند!" اسی پل دروازہ ہلکی سی چرر کے ساتھ کھلا تھا اور کوئی دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی۔ نووارد نے خاصے اچنبھے سے اسے دیکھا اس کی بوکھلاہٹ میں مزید اضافہ ہوا۔

"چھوٹی بی بی! آپ....." ساجدہ کے لبوں سے نکلا تھا۔

"چھوٹی بی بی؟" اوہ اسے یاد آیا یہاں کے سب ملازم اسے چھوٹی بی بی کہہ کر پکار رہے تھے۔ یعنی کہ سامنے کھڑی وہ نوجوان سانولی لڑکی ایک ملازمہ تھی۔

زور زور سے دھڑکتے دل کی دھڑکن معمول پر آنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

"میں محمد خان کی خاص ملازمہ ہوں جی! بڑی بی بی نے ان کی ساری ذمہ داری مجھے سونپی ہوئی ہے۔"

"محمد خان!" ماہ رخ نے زیر لب دہرایا اسے لگا اس کا منہ مٹھاس سے بھر گیا ہو۔

"آج یہ دودھ پیے بغیر ہی سو گیا اور اب تو اس کے سیریلیک کھانے کا وقت بھی ہورہا ہے۔" ساجدہ تشویش سے کہتی آگے بڑھ آئی تھی۔ ماہ رخ نے نظر بھر کے اسے دیکھا اور باہر آگئی۔

☆ ☆ ☆

سترہ روز پہلے اس کی زندگی شفاف ندی کی مانند رواں دواں تھی۔ کہیں کوئی بھنور' کوئی گرداب کچھ نہیں تھا۔ وہ ہیلتھ منسٹر سکندر علی کی اکلوتی اولاد تھی۔ سکندر علی کو خود سے دس سال بڑی اپنی سادہ لوح بیوی زینت سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ان کا دل تو نیلم مرزا کا اسیر تھا۔ بے حد خوب صورت اور طرح دار نیلم مرزا مشہور فیشن ڈیزائنر ہونے کے ساتھ چین آف بوتیکس نہایت کامیابی سے چلا رہی تھی۔ دونوں کے درمیان شناسائی کے بعد زبردست انڈر اسٹینڈنگ مضبوط دوستی کا شاخسانہ ثابت ہوئی تھی۔

خوشبو میں بسی نیلم مرزا کو اپنے دل کے ساتھ ساتھ گھر میں بسانے کی شدید ترین خواہش کے باوجود وہ ماں کی خوشی کے لیے زینت سے شادی کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ اماں کی یتیم بھانجی زینت ان کے بچپن کی منگیتر تھی ان کے ہاں اگر کسی لڑکی کی بچپن کی منگنی کسی بھی وجہ سے ٹوٹ جاتی تو وہ لڑکی بنا کسی جرم کے ساری عمر ماں باپ کی دہلیز پر کنواری بیٹھی رہ جاتی کوئی اور اس "داغدار" لڑکی کو بیاہنے نہ آتا۔ دور جدید میں رائج زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج! دل کی خواہش منہ زور سہی لیکن سکندر علی اس گناہ کے مرتکب نہیں ہونا چاہتے تھے۔ مزید بیوہ ماں کا وقار گھٹانا یا ان کو ناراض کرنا بھی کسی طور گوارا نہ تھا۔ نیلم مرزا کے ساتھ انہوں نے

لمبے چوڑے عہد و پیمان نہیں باندھے تھے' ساتھ نبھانے کی قسمیں نہیں کھائی تھیں۔ دونوں کے مابین ایک خاموش معاہدہ تھا جو اسی خاموشی سے ٹوٹ بھی گیا۔ (یہ ان کا خیال تھا)

زینت بحیثیت عورت اپنے محبوب شوہر کے دل کے راز کو بہت جلد پاگئی تھی۔ لیکن ایک وفاشعار اور خدمت گزار بیوی کی حیثیت سے اس نے کبھی جتلانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اپنے اور سکندر علی کے درمیان عمر' تعلیم' شکل و صورت کے فرق کو بخوبی سمجھتی تھی۔ اسے آسمان اور خود کو زمین گردانتی۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ سکندر علی نے اسے اپنے نام کی چادر اوڑھا کر اپنی اور دنیا والوں کی نظر میں معتبر کردیا ہے۔ اس سے زیادہ کی نہ اسے چاہ تھی اور نہ لالچ شادی کے تین سال بعد وہ سکندر علی کو ایک بیٹی کا تحفہ دے کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند گئی تھی۔

اپنے عظیم نقصان سے بے خبر کاٹ میں لیٹی معصوم پوتی کو دیکھ کر زیتون خانم کا دل پچھاڑیں کھانے لگا تھا۔ کسمساتی' بھوک کے لیے بے چین ہوتی ماہ رخ کو سینے سے لگاتے ہوئے انہوں نے خود سے عہد کیا کہ اپنی بھرپور توجہ اور محبت اس پر لٹاتے ہوئے وہ اسے ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گی اور جو عہد کیا سو نبھایا۔ ماہ رخ کے ذہن میں کبھی اپنی حقیقی ماں کی شبیہ نہیں لہرائی تھی۔ اس کی کل کائنات "اماں" (دادی) ہی تھیں۔

زینت کی وفات کے بعد سکندر علی انہیں اپنے ساتھ شہر لے جانا چاہتے تھے۔ وہاں ان کا ذاتی گھر' بزنس وغیرہ تھا۔ اپنی ڈھیروں مصروفیات میں گھرے رہنے کے باوجود ان کا ذہن لاشعوری طور پر ان میں اٹکا رہتا۔ نتیجتاً" وہ ٹھیک طرح سے اپنے کام پر توجہ مرکوز نہ کرپاتے۔ لیکن زیتون خانم کے لیے اپنے گھر کو چھوڑنا مشکل تھا جس کے کونے کونے سے ان کی یادیں وابستہ تھیں۔

"بٹیا رانی میں تو میری جان ہے سکندر علی! یہ نظروں سے اوجھل ہو تو ہمیں سانس لینا دشوار اس کی تعلیم و

تربیت کے حوالے سے فکر مند مت ہو۔ تمہاری طرح یہ بھی اسی کچے آنگن میں کھیلے گی' اسی پرائمری اسکول میں جامن کے پیڑ تلے ٹاٹ پر بیٹھ کر سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کر تختیاں لکھے گی۔ تصنع و بناوٹ سے پاک صاف ستھرے ماحول میں سانس لے گی۔ میں اپنا خون پسینہ ایک کرکے اسے کندن بناؤں گی۔ انگریزی اسکول اور ڈبوں میں بند خوراک کھانے والے بچوں سے زیادہ قابل نکلے گی تیری بیٹی۔ جس دن یہ آنکھیں بند ہوں بے شک اسی دن اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانا لیکن ابھی نہیں' ابھی دل جدائی کا بوجھ سہارنے پر آمادہ نہیں۔" اس بار بھی سکندر علی نے ان سے ان کی صحت اور ماہ رخ کی تعلیم کے حوالے سے تشویش کا اظہار کرتے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو اماں بی رو پڑی تھیں۔ سکندر علی دوبارہ یہ مطالبہ اپنی زبان پر نہ لاسکے۔

☼ ☼ ☼

اس بار ساون کچھ خفا خفا سا تھا۔ مشرق کی اور سے بادلوں کا ایک قافلہ سا اُمڈا چلا آتا لیکن دوسرے ہی لمحے ہوا کا کوئی جھونکا انہیں اڑائے دور لے جاتا۔ جلتی بلکتی بوندوں کو ترستی زمین اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی۔

"یہ بادل برس کیوں نہیں جاتے آخر؟ کتنا پانی بھرا ہے ان کے اندر' لیکن کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھالے بس اڑے چلے جارہے ہیں۔"

اس نے کوفت زدہ انداز میں سر اٹھا کر آسمان کو تکا تھا۔ بادلوں میں گھرے سورج نے تھوڑا سا پردہ کھسکا کر اس کے جھنجلائے ہوئے چہرے کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے خود کو دانستہ بادلوں میں چھپالیا۔

آسمان سے ایک بوند ٹوٹ کر گری اور پھر لاتعداد بوندوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھما چھم بارش برسنے لگی تھی۔ وہ پائنچے اوپر چڑھائے خوشی سے نہال ہوتی پانی میں چھپا چھپ کرتی رہی۔

"اب بس کر بیٹا رانی! بہت تیز بارش ہے بیمار پڑ جاؤ گی۔" برآمدے میں کھڑی اماں اسے آوازیں دیتی ہلکان ہوتی رہیں۔

"مت روکو زیتون! یہی تو دن ہیں اس کے کھیلنے کودنے کے۔" پکوڑے تلتی بوا نے کھڑکی کی سلاخوں کے پار محبت سے اسے دیکھا تھا۔

وہ جامنوں سے بھری ٹوکری اٹھائے اندر کو بھاگ گئی۔ برآمدے میں اس کے ننگے گیلے پیروں کے نشان چھپتے چلے گئے تھے۔ اماں نے زبردستی کپڑے بدلوائے' بوا نے بیسن کا حلوہ' پکوڑے اور بھاپ اڑاتا دودھ پتی کا مگ سامنے لا رکھا۔ باہر بارش اب رک رہی تھی۔ اس نے متشکرانہ نگاہوں سے اوپر آسمان کو دیکھا اور جی بھر کے پکوڑوں پر ہاتھ صاف کرنے لگی۔ شام ڈھلی تو اماں کو بخار نے آلیا۔

"ہاہا مجھے منع کررہی تھیں بارش میں مت نہاؤ اور خود بنا بھیگے بیمار پڑگئی ہیں۔" اپنے ہاتھوں سے ان کا سر دباتی وہ شرارت سے کہہ رہی تھی لیکن رات تک بخار مزید زور پکڑ گیا۔ اماں بے چینی سے سر تکیے پر ادھر ادھر پٹختی کراہیں' بوا کے تلوؤں سے جان نکلنے لگی۔ شکور ڈاکٹر کو لینے بھاگا' بوا نے سکندر علی کو فون کھڑکایا۔ لیکن تب تک دیر ہوچکی تھی۔ ڈاکٹر اور سکندر علی آگے پیچھے داخل ہوئے تھے۔

"بوا! اماں آنکھیں نہیں کھول رہیں۔" ماہ رخ چلائی تھی۔ بوا کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

"اماں!" اس کی دلدوز چیخوں نے گھر کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ کہتی تھی اگر اماں کو کچھ ہوا تو میں مرجاؤں گی۔ اب اماں مرگئی تھیں لیکن اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔ سکندر علی اسے اور بوا کو اپنے ساتھ شہر لے جارہے تھے۔ وہ نم آنکھوں سے شکور کو دوسرے ملازم لڑکوں کے ساتھ سارا سامان اٹھا کر بڑے کمرے اور اسٹور میں رکھتا دیکھتی رہی۔ اماں کا تخت' موڑھے' چوکیاں' پاندان' ان کے گاؤ تکیے زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے سمٹتی جارہی تھی۔

جانے سے پہلے وہ اپنے پیارے گھر کے در و دیوار

سے لپٹ کر خوب روئی تھی۔ گاڑی کی پچھلی نشست پر بوا کے ساتھ بیٹھی وہ شیشے سے ناک چپکائے برستی آنکھوں سے اپنے گھر کو لمحہ بہ لمحہ خود سے دور ہوتا دیکھتی رہی۔

سکندر علی نے بہت دکھ سے اپنی بیٹی کو دیکھا تھا۔ اس نے آج دوسری بار اپنی ماں کو کھویا تھا۔

"نیلم کالنگ!" موبائل کی بپ پر انہوں نے آہستگی سے آن کا بٹن دبایا اور موبائل کان سے لگالیا۔

"سکندر؟" فکر مند لہجہ تشویش لیے ہوئے تھا۔

"راستے میں ہوں ابھی۔ گھر آکر تسلی سے بات کرتے ہیں۔" سنجیدگی سے کہتے رابطہ منقطع کرنے کے بعد انہوں نے موبائل ڈیش بورڈ پر ڈال دیا تھا۔

نیلم مرزا ایک بار پھر بہت چپکے سے ان کی زندگی میں داخل ہوچکی تھی۔ سکندر کی شادی کی خبر اس پر بجلی بن کر گری تھی۔ غم و غصے نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کرلیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ملک جہانزیب کے ساتھ شادی ہرگز نہ کرتی۔ ملک جہانزیب! جس کے پاس دولت کی ریل پیل تھی لیکن وہ ہرگز اچھا انسان نہیں تھا۔ نیلم نے اس کے ساتھ شادی انتقاماً کی تھی۔ معلوم نہیں وہ یہ انتقام کس سے لینا چاہتی تھی۔

وہ ایک چھت تلے رہنے والے دو ایسے اجنبی تھے جن کے درمیان شناسائی کا احساس محمد خان کے وجود نے پیدا کیا تھا۔ یہ ایک لمحاتی احساس تھا جو اگلے چند لمحوں میں ہی فنا ہوگیا۔ جس دن اسے ملک جہانزیب کی کار ایکسیڈنٹ میں موقع پر ہی وفات پانے کی اطلاع ملی وہ چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئی تھی۔ انسان لاکھ تاویلیں گھڑے' جواز تراشے' حکمت عملی مرتب کرے۔ تقدیر کے ایک وار کے سامنے سب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔

انتہائی پر اعتماد' ہمیشہ سر اٹھا کر چلنے والی نیلم مرزا' سکندر کے سامنے سر جھکائے پھوٹ پھوٹ کے روئی تھی۔ سارا ملال' احساس زیاں آنسوؤں کی صورت بہہ نکلا اور فیصلے کی گھڑی نے اپنا وجود منوالیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نئی امی" کا نام سنتے ہی اس کے تصور میں کامی کی سوتیلی ماں کا سراپا در آتا۔ چمکتے شوخ کپڑوں میں ملبوس' نقلی گھٹیا زیورات پہنے' ڈھیر سارا میک اپ تھوپے بھاری بھرکم وجود والی شبانہ خالہ!

جو نہ تو کامی کو ٹھیک طرح سے کھانے دیتی اور نہ ہی کھیلنے الٹا کامی کے ابے سے اس کی الٹی سیدھی شکایتیں لگا کر پٹائی لگواتی رہتی۔ جب وہ بات بات پر کامی کو گالیاں دیتی تب اس کا دل چاہتا اس کے سرخ ہونٹوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے روک دے۔ لیکن ایسا صرف وہ سوچ ہی سکتی تھی۔ بے چارہ کامی!

سنہری بارڈر والی ہلکی گلابی ساڑھی پہنے اٹھی ہوئی گردن والی بے حد خوبصورت "نئی امی" کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ بالوں کا جوڑا بنائے' ساڑھی کی ہم رنگ نفیس سی جیولری پہنے وہ اسے دنیا کی سب سے خوبصورت عورت لگی تھیں۔

"نئی امی" بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔ سکندر ہنسے تھے۔

"یہ تمہاری مما ہیں بیٹا!"

"آف کورس بیٹا! آپ مجھے بلا جھجک مما کہہ سکتی ہو کیونکہ میں نہیں چاہتی مجھے "نئی امی" کہنے کے نتیجے میں محمد خان انہیں "نیا ابو" کہے۔"

ہنستے ہوئے تو وہ اور بھی پیاری لگ رہی تھیں۔ ماہ رخ نے جھینپ کر اپنا سر جھکا دیا پھر جب تک وہ ان کے سامنے کھڑی رہی اس کی نگاہیں سلور سینڈل میں دمکتے ان کے پیروں پر بھٹکتی رہیں۔

رات کو اماں وزیراں اسے کھانے کے لیے بلانے آئیں تو وہ محمد خان کو دیکھنے کے خیال سے ڈائننگ ٹیبل پر چلی آئی۔ اتنے چھوٹے بچے کی ڈائننگ ٹیبل پر موجودگی گو کہ ممکن نہیں تھی۔ لیکن اس کے لاشعور میں کہیں یہ خیال موجود تھا کہ ہوسکتا ہے مما اسے گود میں بٹھا کر کچھ کھلاتی ہوں۔

لیکن ڈائننگ ہال میں پہنچتے ہی اس کی خام خیالی دور ہوگئی۔ مما کی گود میں محمد خان تو نہ ملا البتہ ایک دھچکا ضرور ملا تھا۔

"برکت بوا!" مما بتا رہی تھیں ان کے ہاں اپنے خاص ملازموں کو ان کی خدمات کے عوض پرکشش تنخواہ اور مراعات دینے کے ساتھ اپنے اور ان کے بیچ "مناسب فاصلہ" ضرور رکھا جاتا ہے۔ ماہ رخ کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

وہ برکت بوا کو ملازمہ کب سمجھتی تھیں؟ اس نے تو ہمیشہ انہیں اماں کے ساتھ گھر کے فرد کی طرح ہر معاملے میں پیش پیش دیکھا تھا۔ یکایک اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو جمع ہوتے گئے۔ وہ سر جھکائے آنسو پیتی تقریباً" اپنی پلیٹ پر جھک گئی تھی۔

نوالہ حلق میں پھنسا تو اس نے جلدی سے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔ پھر مزید کھانا کھانے سے معذرت کرتی باہر نکل آئی۔ اس کی متلاشی نگاہیں برکت بوا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اور تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اسے اماں وزیراں کو ساتھ باتیں کرتی نظر آگئیں۔

"بوا۔" وہ بھاگ کر ان کی گود میں منہ چھپائے رونے لگی تھی۔

"مجھے اچھا نہیں لگا بوا! مجھے اچھا نہیں لگا آپ کے بغیر۔"

وہ نم آنکھوں سے اس کی پیٹھ سہلانے لگیں۔

"جھلی ہو تم تو بالکل! اصلی عزت تو دل میں ہوتی ہے اور ہم نے اپنی بٹیا کا دل کھول کر پڑھا ہوا ہے۔ ہمیں یہ اوپری اوپری عزت اور محبت چاہیے بھی نہیں۔"

☼ ☼ ☼

رات دیر تک بوا کے ساتھ اماں کی باتیں کرنے کی وجہ سے صبح اس کی آنکھ تاخیر سے کھلی تھی۔

ساجدہ! محمد خان کو تیار کردو۔ آج اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔"

ادھ کھلے دروازے کے پاس سے گزرتی مما کی آواز اس تک پہنچی تھی۔ اس کے نیم خوابیدہ احساسات یکایک بےدار ہوئے۔

"کیا ہوا ہے اسے؟" اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ پھر جب تک وہ جلدی سے منہ پر پانی کے چھپاکے مار کر بھاگتے ہوئے باہر نکلی تب تک سیاہ چمکتی کار سرخ روش پہ پھسلتی باہر نکل گئی تھی۔

بے چینی کے مارے اس کا برا حال ہونے لگا۔ کس سے پوچھوں کون بتائے گا کہ اسے کیا تکلیف ہوئی ہے؟ اس کی تکلیف کا سوچ کر اسے خود اپنے اندر کہیں تکلیف ہونے لگی تھی۔ یونہی پریشان خیالی میں چلتے وہ اندھا دھند کسی سے جا ٹکرائی تھی۔

"اف!" آنکھوں کے سامنے جیسے تارے سے ناچ اٹھے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گہری کالی آنکھوں والا خوبرو نوجوان ایک بار پھر اسے گھور رہا تھا۔

"کیا تمہارے حواس ہمیشہ یونہی اڑے سے رہتے ہیں؟"

"ہاں.... نہیں.... وہ!"

"ایک بات ہاں' نہیں یا وہ؟"

"نہیں!" ماہ رخ نے تیزی سے کہا تھا۔

"اوکے! پھر کیا اندھے پن کی پریکٹس کررہی ہو؟"

"نہیں.... وہ.... اصل میں!" وہ پھر گڑبڑائی تھی۔

"ایک بات نہیں' وہ یا اصل میں؟"

"اصل میں!" بنا سانس لیے وہ سرعت سے بول اٹھی۔

"اصل میں مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے مما محمد خان کو اسپتال کیوں لے کر گئی ہیں؟ کیا ہوا ہے اسے؟"

اب کی بار اس نے ذرا غور سے اس کے پریشان چہرے کو دیکھا تھا۔

"ماہانہ چیک اپ کروانا ہوتا ہے اس کا' پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" اسے اپنے دل سے غبار چھٹتا محسوس ہوا۔

"میرے اور تمہارے درمیان مذاق کا رشتہ ہے؟"

"نہیں.... اصل میں.... کچھ نہیں!"

"ایک بات نہیں' اصل میں یا کچھ نہیں؟" اپنی عادت کے برخلاف اسے اس کو چڑانے میں لطف آرہا تھا۔

"کچھ نہیں!" وہ نروٹھے پن سے کہتی واپس مڑگئی۔ مجتبیٰ سر جھٹکتے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

پھر نجانے کتنا وقت بیت گیا۔ وہ یونہی جلے پیر کی بلی کی مانند چکراتی رہی۔ بوا نے دو ایک بار ٹوکا بھی لیکن وہ سنی ان سنی کرگئی۔ گیراج میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ جو پلر سے ٹیک لگائے کھڑی شدت سے ان کی آمد کی منتظر تھی بھاگ کر اس طرف گئی۔ ساجدہ اکیلے اسے اٹھائے اندر داخل ہوئی تھی۔ مما اس کے ساتھ نہیں تھیں۔

"مما کہاں ہیں ساجدہ؟"

"بڑی بی بی کو کسی کام سے جانا تھا جی! وہ اسپتال سے ادھر چلی گئی تھیں میں ڈرائیور کے ساتھ آئی ہوں۔"

محمد خان کی آنکھیں آج بھی بند تھیں۔ نجانے وہ اتنا سوتا کیوں تھا؟ ماہ رخ نے پنجوں کے بل تھوڑا سا اچکتے ہوئے اس کی بند پلکوں پر آہستگی سے انگلی پھیری۔ ساجدہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ جبکہ وہ اپنی شہادت کی انگلی کی پور پر اس کی پلکوں کا لمس محسوس کرتی مسرور سی اپنے کمرے کی جانب چل پڑی۔

☼ ☼ ☼

"گڈ مارننگ بیٹا!" صبح وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو اخبار کی شہ سرخیوں پر نظر دوڑاتے بابا نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے خیر مقدمی مسکراہٹ سے اسے دیکھا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کے ڈھیلے ڈھالے کرتا شلوار میں بالوں کو طریقے سے کنگھی کیے وہ پہلے کی نسبت انہیں بہت فریش لگی تھی۔

اس کے بالکل سامنے والی کرسی پر مجتبیٰ سر جھکائے ناشتا کرنے میں مگن تھا۔ اس کی آمد کو ذرا سی بھی اہمیت دیے بنا وہ پوری طرح اپنے ناشتے کی طرف متوجہ تھا۔

وہ آہستگی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

بابا نے پہلے اس کے لیے سلائس پر جیم لگایا پھر جوس کا گلاس بھر کر سامنے رکھا۔ ناشتے کے معاملے میں وہ ہمیشہ اماں کے صبر کا امتحان لیتی تھی۔ وہ جتنی محبت سے ایک ایک چیز اٹھا کر اسے کھلانے پر مصر ہوتیں وہ اتنے ہی نخرے کیے جاتی۔ جب نخرے اٹھانے والے چلے جائیں تو سارے ناز نخرے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ سلائس اٹھا کر اس نے خاموشی سے کھانا شروع کردیا۔

"ڈونٹ وری ادریس صاحب! میں ابھی خود تھوڑی دیر بعد آپ سے رابطہ کرتی ہوں۔ بائے!" مما فون پر کسی سے بات کرتی اندر داخل ہوئی تھیں اور یونہی کھڑے کھڑے جگ سے جوس گلاس میں انڈیل کر لبوں سے لگالیا۔

"ڈھنگ سے ناشتا تو کرلو پہلے۔" بابا نے ٹوکا تھا۔

"اونہوں! بالکل بھی ٹائم نہیں ہے سکندر! میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ کسی بھی وقت سنگاپور کے سیمینار کے لیے التوا میں پڑا پروگرام فائنل ہوسکتا ہے۔ وہ تو شکر ہے ادریس صاحب نے میری ٹکٹ کنفرم کروالی تھی ورنہ اچھا خاصا مسئلہ ہوجاتا۔"

"فلائٹ کب ہے؟"

"آدھے گھنٹے بعد!"

"اور واپسی؟"

"کچھ کنفرم نہیں ہے۔ وہاں جاکر ہی پتا چلے گا۔" ماہ رخ اپنا ناشتا بھلائے بہت توجہ سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ مما جوس ختم کرکے سب سے الوداعی کلمات کہتی تیزی سے باہر نکل گئی تھیں۔

"محمد خان بھی مما کے ساتھ چلا جائے گا۔" ڈھیر ساری اداسی اس کے اندر اترنے لگی۔

بابا مسکرائے تھے۔

"وہ ساتھ نہیں جارہا۔"

"پھر وہ مما کے بغیر کیسے رہے گا؟" اداسی کی جگہ فکر مندی نے لے لی۔

"ساجدہ ہے اسے سنبھالنے کے لیے!" بابا اسے

جواب دینے کے بعد مجتبیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ جو اپنا ناشتا ختم کیے ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بھئی مجتبیٰ! فری ہو آج؟"

"جی انکل! تقریباً۔"

"میں سوچ رہا تھا ماہ رخ کا کسی اچھے اسکول میں ایڈمیشن کروادیا جائے اب پہلے ہی اس کا کافی وقت ضائع ہوگیا ہے۔ آج مجھے اگر جرمنی سے آنے والے ڈیلی گیشن کو نہ بھگتانا ہوتا تو خود ہی یہ کام کرلیتا لیکن یار تم "سن رائز" کے احتشام منیر سے آج مل لو۔ ویسے تو میری اس سے بات ہوئی تھی اس سلسلے میں' باقی تم خود سب دیکھ لینا۔ ماہ رخ تمہارے ساتھ جائے گی۔" اس کی ذات سے متعلق گفتگو ہورہی تھی سو کان کھڑے کیے پوری طرح ان دونوں کی طرف متوجہ تھی۔

"جی انکل! بہتر۔" بابا کے اٹھنے کے بعد وہ بھی کرسی کھسکاتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اور ہاں جب تک اس کے لیے کسی اچھے ٹیوٹر کا انتظام نہیں ہوجاتا تب تک مہربانی کرواپنے سیکنڈ ٹائم میں سے کچھ وقت اس کے لیے بھی مختص کردو۔"

"جی بہتر!" وہ پشت پر ہاتھ باندھے مودب سا کھڑا تھا۔

"اوکے بیٹا! میں ڈرائیور سے کہتا ہوں گاڑی نکالے۔" شفقت سے ماہ رخ کا رخسار تھپتھپاتے وہ باہر نکل گئے تھے۔

"تیار ہوجاؤ تھوڑی دیر میں نکلتے ہیں۔" ماہ رخ پر ایک نگاہ ڈالتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

بوا نے اسے بتایا تھا کہ مجتبیٰ مما کی بڑی بہن خدیجہ کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ کا انتقال تو اس کی پیدائش سے پہلے ہوگیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد بریسٹ کینسر میں مبتلا خدیجہ نے بھی جان ہاردی تو مما اپنے بھانجے کو اپنے گھر لے آئی تھیں۔ تب وہ بہت چھوٹا تھا۔ پھر سکندر نے بھی کھلے دل سے اس کا اپنے ہاں خیر مقدم کیا تھا۔ اسے بہترین تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوائی اور گھر کے فرد کی سی حیثیت اور اہمیت دی۔

یہ سب جان کر اسے اپنے بابا پر فخر محسوس ہوا تھا۔

ڈرائیور کے ہاتھ سے چابی لے کر مجتبیٰ خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔

"آپ اتنی آہستہ سے گاڑی کیوں چلا رہے ہیں؟" وہ جو بہت سنجیدگی سے سامنے نظر جمائے ڈرائیونگ میں مصروف تھا چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"بغیر اجازت کے پہلی بار گاڑی چلانے والوں کی یہی رفتار ہوتی ہے۔"

"آپ بابا کی اجازت کے بغیر پہلی بار گاڑی چلا رہے ہیں۔" وہ تحیر سے بولی۔ مجتبیٰ نے سامنے دیکھتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔ ماہ رخ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا لیکن وہ بنا اس کی جانب دیکھے ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"مجھے ڈرائیونگ کے دوران باتیں کرنا اور سننا پسند نہیں۔ اس لیے چپ کرکے بیٹھی رہو۔" ماہ رخ نے منہ بند کرلیا اور پھر باقی کا سارا وقت بند ہی رکھا۔ البتہ آنکھیں معمول سے قدرے زیادہ کھل گئیں۔ جدید طرز پر بنے اسکول کی شاندار عمارت' صاف ستھرا ماحول' نکھرے تمیزدار بچے' کاریڈور سے گزرتی ٹپ ٹاپ خوبصورت استانیاں' اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کا 8th کلاس میں ایڈمیشن ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بے چینی کے گہرے احساس نے اسے پٹ سے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا تھا۔ اسکول سے واپس آنے کے بعد وہ کھانا کھا کے لمبی تان کر سوگئی تھی۔ اور نجانے کتنی دیر تک بے سدھ سوئی پڑی رہی۔

پوری آنکھیں کھولے' چھت کو گھورتی وہ چند ثانیوں کے لیے غیر معمولی پن کو کھوجتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کی سماعتوں سے بچے کی رونے کی آواز ٹکرائی تھی۔

"محمد خان رو رہا ہے؟" وہ سرعت سے پاؤں سلیپر میں اڑستی باہر کی جانب بھاگی۔ دھاڑ سے دروازہ کھلنے پر ساجدہ نے چونک کر اپنے عقب میں دیکھا تھا۔ محمد خان واقعی رو رہا تھا زور زور سے۔ ماہ رخ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ ساجدہ اسے دودھ پلانے کی کوششوں میں ہلکان ہوئی جارہی تھی۔ لیکن وہ مسلسل روتے ہوئے فیڈر والے اس کے ہاتھ کو جھٹک رہا تھا۔

"فیڈر مجھے دے دو ساجدہ! میں اسے پلاتی ہوں۔" ساجدہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا پھر بے بسی سے فیڈر اس کے ہاتھ میں تھماتی قدرے پیچھے ہوگئی۔

ماہ رخ بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور محمد خان کے سر کو اپنے ایک گھٹنے پر رکھے دوسرے ہاتھ سے تھپکتی فیڈر پلانے لگی۔ حیرت انگیز طور پر اس کا لمس پاتے ہی محمد خان رونا چھوڑ کر دودھ پینے لگا۔

"میں ان آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گی کبھی نہیں۔" مما اس سے بہت دور تھیں اور بابا بہت مصروف اسے اپنے دل میں اس کے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوا۔ دودھ ختم ہوا تو اس نے فیڈر حیرت زدہ کھڑی ساجدہ کو تھما دیا۔ جبکہ وہ اسے یونہی گود میں لیے اپنا گھٹنا ہلاتی اسے جھلاتی رہی۔ محمد خان خوش ہو کر کلکاریاں مارنے لگا تھا۔ ساجدہ حیران ہونا ترک کرکے باہر نکل گئی تھی۔ نجانے کتنا وقت بیت گیا وہ اس کے ساتھ مستیاں کرتی' اسے گدگداتی رہی۔

"مجتبیٰ صاحب اسٹڈی میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" ساجدہ کا پیغام سن کر وہ سر پر ہاتھ مار کر رہ گئی۔

"ہائیں! آج تو پہلا دن تھا۔"

وہ سنجیدہ صورت لیے یقیناً" اس کا منتظر تھا۔

مجھے وقت کی پابندی نہ کرنے والے اسٹوڈنٹس سخت برے لگتے ہیں۔" ایک سخت تنبیہی نظر ڈالی گئی۔

"پڑھائی کے دوران ادھر ادھر کی ہانکنا مجھے بالکل پسند نہیں۔" وہ اپنا بیگ ٹیبل پر رکھ کر اسے کھولنے لگی۔

"جو بھی سوال سمجھاؤں ایک ہی بار سمجھ لینا۔ دوسری بار نہیں سمجھاؤں گا۔"

اس نے ساری کتابیں نکال کر میز پر رکھ دیں۔

"ٹھیک ہے؟" وہ پڑھانے سے پہلے ٹیچر بنا اسے اپنے "سنہری اصول" یاد کروا رہا تھا۔

"اونہوں!" ماہ رخ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر بولی۔

"آپ مجھے ایک صفحے پر یہ سب لکھ دیں۔ ایسے تو میں بھول جاؤں گی۔"

مجتبیٰ نے خشمگیں نگاہوں سے اس کے جھکے سر کو گھورتے ایک کتاب اٹھا کر پڑھانا شروع کردیا۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دن اس کے لیے ڈھیر ساری مصروفیات لائے تھے۔ ناشتا ادھورا رہ جاتا اور اسکول وین والا ہارن پہ ہاتھ رکھ کر اسے بھاگم بھاگ بیگ اٹھائے باہر لپکنے کو مجبور کردیتا۔ کچھ وہ ذہین تھی اور کچھ من پسند ماحول نے جی جان سے محنت کرنے پر اکسایا۔

اسکول سے واپسی پر کھانا کھاتے ہی نیند کی مہربان پری باہیں وا کیے اپنی جانب بلاتی تو وہ بوجھل ہوتی پلکوں سے اس کا ہاتھ تھامے خوش رنگ وادیوں میں اتر جاتی۔ دو گھنٹے چٹکی میں گزر جاتے اور اماں وزیراں کا لایا پیغام اسے پٹ سے حقیقت کی دنیا میں آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیتا۔

کہنیوں تک آستینیں موڑے' رسٹ واچ پر نگاہ جمائے ایک ایک سیکنڈ کا حساب لگاتا' چہرے پر شدید قسم کے سنجیدہ تاثرات لیے اسٹڈی میں محو انتظار مجتبیٰ! جو اپنے اول روز کے لاگو کیے اصولوں پر آج بھی سختی سے کاربند تھا۔ نتیجتاً" اس دوران وہ اپنی ساری حسیں چوکس کرکے بیٹھتی بصورت دیگر اس کی ایک خشمگیں نگاہ کافی ہوتی۔

باقی کا سارا وقت وہ محمد خان کے ساتھ گزارتی۔ اسے کھلانا' پلانا' سلانا' کپڑے بدلنا اور اس طرح کے دیگر چھوٹے چھوٹے کام وہ عجب سرشاری کے سے عالم میں کیے جاتی۔ محمد خان بہت جلد اس سے مانوس

ہوگیا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی ہمکنے لگتا' اس کا لمس محسوس کرتے ہی کھل اٹھتا' اٹکھیلیاں کرتا۔ ان دونوں کو آپس میں مصروف دیکھ کر جہاں ساجدہ مطمئن سی ٹی وی کے سامنے جم کر اپنے سارے پسندیدہ پروگرام دیکھتی وہیں بوا اماں وزیراں کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہوجاتیں۔

اس نے زندگی میں کبھی اپنی حقیقی ماں کا لمس محسوس نہیں کیا تھا۔ باپ کی پدرانہ شفقت سے لبریز محبت بھرے اظہار بھی گھڑی دو گھڑی کے لیے ہوتے تھے ایسے میں ایک اماں تھیں جنہوں نے اپنی بے تحاشا محبتیں اس پر لٹائی تھیں۔ اور ان کے ہوتے ہوئے اسے محبتوں کے لیے اپنا دامن کبھی خالی محسوس نہیں ہوا تھا۔

لیکن یہاں آکر اس نے محرومی کا ایک اور رنگ دیکھا۔ بے انتہا مصروف سے بابا کی اگر کبھی محمد خان پر نظر پڑجاتی تو وہ لمحہ بھر کے لیے اسے پیار کرتے بعجلت آگے بڑھ جاتے بالکل ایسے جیسے راہ چلتے بچے سے کوئی اجنبی پیار کرتا گزر جائے۔

اور ممّا! اس کی اپنی سگی ماں! ماہ رخ کو جھٹکا سا لگا تھا۔

بہت خوشگوار سا دن تھا وہ۔ دوپہر کے رنگ پر سرمئی بادلوں کا رنگ حاوی ہورہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے نم جھونکے ہلکی ہلکی پھوار سے لبریز تھے۔ وہ لان میں محمد خان کو لیے سفید خرگوشوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ سرخ روش پر ممّا کی پنسل ہیل کی ٹک ٹک گونجی تو وہ محمد خان کو لیے نرم و سبز گھاس کو اپنے پیروں تلے روندتی بھاگ کر ان کی طرف گئی تھی۔

"کیسی ہو ماہ رخ؟"

انتہائی رسمی لہجے و الفاظ میں کیے گئے سوال پر وہ محض کندھے اچکا کر مسکرائی تھی۔

"او ماما کا بے بی!"

وہ اب محمد خان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔ ماہ رخ کو لگا تھا اتنے دنوں کی دوری پر وہ اسے گود میں لے کر خوب سارا پیار کریں گی۔ لیکن وہ سن سی کھڑی رہ گئی۔ ممّا جھک کر اس کے چہرے پر پیار کرنے کے بعد اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی آگے بڑھ گئیں۔

بس یہی کچھ!

وہ کم عمر تھی لیکن ناسمجھ نہیں۔ اس ایک لمحے نے اسے آگاہی عطا کردی تھی۔ وہ محمد خان کے لیے "اماں" بن گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

برکت بوا کی بات سننے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی تو قدم دہلیز پر ہی جم گئے۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ایک' دو' تین محمد خان بغیر کسی سہارے کے قدم اٹھا رہا تھا۔ چھٹے قدم پر وہ ذرا سا لڑکھڑایا اور گرنے کو تھا کہ اس نے لپک کر اسے اپنی بانہوں میں بھرلیا اور چٹاچٹ خوب سارا پیار کرڈالا۔

"وہ ایک منٹ!"

مسرت کے گہرے احساس سے سرشار وہ محمد خان کو وہیں چھوڑ کر لابی کی جانب بھاگی لیکن شومئی قسمت!

"میں کل سے تمہیں چلنے کے آداب پر ایک بک لادوں گا آئندہ سے وہ بھی تمہارے سلیبس میں شامل ہوگی۔"

شاید نہیں یقیناً" وہ اس پر طنز کررہا تھا۔ ماہ رخ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر بنا کچھ کہے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

"ہیلو! ممّا! ممّا سے بات کرنی ہے۔" فون ان کی پرسنل سیکریٹری نے اٹھایا تھا۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہوئے۔

"ایوری تھینگ از اوکے ماہ رخ؟" عجلت بھرا انداز ہلکی سی تشویش لیے ہوئے تھا۔

"لیس ممّا! آپ جانتی ہیں ابھی کچھ دیر پہلے محمد خان نے بغیر کسی سہارے کے قدم اٹھایا ہے پورے پانچ قدم اور۔۔۔"

"ہوں! گڈ نیوز!" ایک ٹھنڈی اطمینان بھری سانس اس کی سماعتوں میں منتقل ہوئی تھی۔

"اور ممّا۔۔۔"

"بات سنو ماہ رخ! یہ بات گھر میں بھی بتائی جاسکتی

تھی۔ میں یہاں بہت بزی ہوں اور تمہاری کال نے اچھا خاصا ڈسٹرب کردیا ہے مجھے۔ اوکے بائے۔"

دوسری طرف سے ٹوں ٹوں سنائی دی تو اس نے قدرے بے یقینی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے پھر سے پرجوش ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ملازم کو بازار بھیج کر ڈھیر ساری مٹھائی منگوائی اور اپنے ہاتھوں سے ایک ایک کا منہ میٹھا کروایا۔ بوا' اماں' وزیراں' خانساماں' ڈرائیور' مالی بابا' چوکیدار سب۔ آخر میں گلاب جامن کا ایک ٹکڑا محمد خان کے ہاتھوں میں دے کر لاؤ سے کہا۔

"میرا منہ میٹھا کرواؤ خان!" وہ ہنسنے لگا تھا۔ ماہ رخ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خود ہی ٹکڑا اپنے منہ میں ڈال دیا۔

☼ ☼ ☼

اس کا شوق اور مجتبیٰ کی محنت رنگ لائی تھی۔ اس نے 8th میں اے پلس گریڈ لیا تھا۔ بابا نے ماتھے پر پیار کرتے اسے شاپنگ کے لیے والٹ سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کے دیئے۔ ممّا اس روز گھر پر تھیں اور انہوں نے معمول سے ہٹ کر کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کروالیا تھا۔ وہ نہ تو کامی کی سوتیلی ماں کی طرح کینہ پرور تھیں اور نہ ہی سنڈریلا کی ماں کی طرح حاسد۔

انہوں نے اس کے معاملات میں کبھی بے جا مداخلت نہیں کی تھی۔ کوئی روک ٹوک' زبردستی کچھ نہیں!

ماہ رخ کو لگا اس کے پاس ہونے کی سب سے زیادہ خوشی مجتبیٰ کو ہوئی ہے۔ ہمیشہ سنجیدہ اور خشک مزاج "ٹیچر" کو پہلی بار کھل کر مسکراتے دیکھ کر اسے بے حد اچھا لگا تھا۔ اس کے گندمی مغرور نقوش والے چہرے مسکراہٹ بہت اجنبی لگتی تھی۔ اجنبی لیکن بے حد بھلی! اگلے دن اسکول سے واپسی پر وہ اسے پک کرنے آیا تھا۔

"آئس کریم کھلاؤں؟" ماہ رخ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"اس بار صرف آئس کریم لیکن میٹرک میں اے پلس گریڈ لانے پر میں تمہیں اپنی طرف سے زبردست ٹریٹ دوں گا اور پرائز بھی!"

اس کے لیے تاحال کسی "اچھے ٹیوٹر" کا انتظام نہیں ہوسکا تھا اور مجتبیٰ نے خوشدلی سے یہ ذمہ داری اٹھائی ہوئی تھی۔ اس کی منتھلی ٹیسٹ رپورٹس کافی تسلی بخش تھیں سو بابا اس طرف سے مطمئن ہوئے تھے۔

"محمد خان کے لیے بھی پیک کروائیں؟"

"نہیں! اس کا گلا خراب ہوجاتا ہے آئس کریم کھانے سے۔" اس کے فی الفور منع کرنے پر ماہ رخ نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے' ہنستے انجوائے کرکے مجتبیٰ کو دیکھ کر اس نے چپکے سے دل میں اس کا یہ روپ امر ہونے کی دعا کی تھی۔ لیکن اگلے دن ساری خوش گمانی دھری کی دھری رہ گئی۔ جب اسٹڈی میں صرف پانچ منٹ لیٹ پہنچنے پر اس نے اسے بری طرح جھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ دل مسوستی کتاب پر جھک گئی۔

☼ ☼ ☼

محمد خان کی ذات سے وابستہ خوشیوں سے لبریز لمحات اس کی زندگی میں بہت بار آئے تھے۔ جب اس نے ممّا' بابا کی بجائے پہلی بار اپنی زبان سے "رخ" ادا کیا تھا۔ جب پہلی بار بیگ اٹھائے اسکول جانے کے لیے تیار ہونے کے بعد وہ اس کے سامنے کھڑا تابعداری سے پوچھ رہا تھا۔

"رخ! میں جاؤں؟"

اور جس رات وہ اسے سلانے کی تمام تر کوششوں میں ناکام ہوتی زچ ہو کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"تم سو کیوں نہیں رہے محمد خان؟" تب اس نے زبردستی کی بند کی ہوئی اپنی آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔

"رخ! تم نے کہا تھا آج رات سونے سے پہلے مجھ

سے "ٹوئنکل ٹوئنکل" والی پوری پوئم سنو گی اور اگر میں نے نہ سنائی تو تم مجھ سے خفا ہو جاؤ گی۔ ابھی سنادوں؟ پھر میں سو جاؤں گا۔"

وہ عمر میں اس سے برسوں کا فرق رکھتی تھی لیکن آپی یا باجی کی بجائے اس کا "رخ" کہنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

اور جب ایک شام وہ اپنا بیگ اٹھائے کوئی چیز تلاش کر رہی تھی تب وہ ہچکچاتا ہوا اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور نگاہیں جھکائے معصومیت سے بولا۔

"رخ! تمہارے بیگ کی اس پاکٹ سے چاکلیٹ روز میں نکالتا ہوں۔ تم اسے ڈھونڈ رہی ہو نا؟" وہ بیگ رکھتی پوری طرح اس کی طرف گھومی تھی۔

"سوری رخ!" ٹھوڑی سینے سے ٹکائے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑے وہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔

"اور یہ بات میں پہلے دن سے ہی جانتی ہوں۔ اس لیے تو روز اس پاکٹ میں چاکلیٹ رکھ دیتی اور آئندہ بھی رکھوں گی۔"

اس کی آنکھوں میں محبت کا سمندر موجزن تھا۔

"میرے لیے؟" ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھائیں۔

"ہاں تمہارے لیے" اس کے دونوں ہاتھ تھامتے وہ محبت سے بولی تھی۔ محمد خان کے دودھیا سفید بھرے بھرے ہاتھوں میں اسے اپنے گندمی ہاتھ گہرے سانولے محسوس ہوئے تھے۔

محمد خان کی اٹھان بہت اچھی تھی۔ ایک سیزن کے کپڑے اگلے سیزن میں اس کے کسی کام کے نہیں رہتے تھے۔ اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے وہ عمر میں کئی گنا بڑ دکھائی دیتا۔ اس کے نقوش میں عجیب سی ملائمت تھی۔ کوئی غلطی ہو جانے پر بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ مارتا جب وہ اپنی گہری آنکھیں پھیلا کر نفی میں دائیں بائیں سر ہلاتا تو ماہ رخ کا دل چاہتا اسے اپنے دل میں کہیں چھپا لے۔



گھر میں ملازموں کی فوج ظفر موج موجود تھی لیکن کارکردگی صفر۔ وجہ شاید نہیں یقیناً" یہی تھی کہ اہل خانہ کے پاس ان کے سر پر کھڑے ہو کر پوچھ گچھ کرنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ جو جیسا ہے چلتا رہنے دو بس! لیکن ماہ رخ کو بہت شدت سے احساس ہوا تھا کہ اس گھر کی اکلوتی اور بڑی بیٹی ہونے کی حیثیت سے اسے یہ ذمہ داری اٹھالینی چاہیے۔ ویسے بھی میٹرک کے امتحانات کے بعد وہ ان دنوں بالکل فارغ تھی اور فراغت کا یہ مصرف بہترین تھا۔

یہاں صرف صفائی وغیرہ کے لیے تین لڑکیاں رکھی گئی تھیں۔ جو اچھی خاصی معقول تنخواہ لینے کے باوجود اوپری جھاڑ پونچھ کر کے ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ جاتیں۔ لیکن ماہ رخ نے ان کے سر پر کھڑے ہو کر گھر کا کونا کونا چمکوایا تھا۔ اس کا انداز انہیں باور کروا گیا تھا کہ اب موج مستی کے دن خواب و خیال ہوئے۔ اس کے بعد باری آئی تھی کچن کی۔ بہترین کراکری، ملکی اور غیر ملکی مسالہ جات، شاندار کیبنٹس اور تمام تر سہولیات سے آراستہ جدید طرز پر بنے کچن کی حالت سب سے ابتر تھی۔

فریج کھولتے ہی اسے ابکائی سی آگئی۔ دودھ، چکن، فروٹ، جوسز، نعمتوں کی اتنی فراوانی اور اتنی ناقدری، اس کے مالکانہ تیور خانساماں اور اس کے معاون دو لڑکوں کو بوکھلائے دے رہے تھے۔ وہ اپنی کوتاہی اور بے خبری پر افسوس کرتی دن میں کم از کم ایک بار کچن کا از خود جائزہ لینے کا تہیہ کر چکی تھی۔

انتہائی مہنگے پودوں اور انواع و اقسام کے پھولوں سے مہکتے لان کی حالت اگرچہ بہت بہتر تھی۔ لان کے وسط میں شفاف پانی کے فوارے کے قریب ٹہلتے مور اپنے پنکھ پھیلائے لان کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ مالی بابا اس کی نظروں میں سرخروئی کی سند پائے چند نئے پودے لگانے کے بارے میں بات کرنے لگے تھے۔ وہ بہت توجہ سے ان کی باتیں سننے کے بعد سرہلاتی اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ طویل راہداری سے گزرتے اس کی نگاہ مجتبیٰ کے کمرے کے بند دروازے پر پڑی تو اس نے بے ساختہ جھاڑ پونچھ کرتی

سکینہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔

"وہ جی مجتبیٰ صاحب تو اپنے کمرے کی ہفتے میں ایک دن اپنی نگرانی میں ہی صفائی کرواتے ہیں۔" سکینہ متذبذب تھی۔ ماہ رخ چونکہ ملازموں کی کام چوری کے عملی مظاہرے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ اس لیے سکینہ کے کنی کترانے کو بھی کام چوری پر محمول کیا۔

"چلو تم میری موجودگی میں صفائی اور ڈسٹنگ وغیرہ کر دو باقی ڈسٹنگ میں خود کرلوں گی۔" سکینہ مزید کوئی تعرض برتے چپ چاپ صفائی میں جت گئی تھی۔

جو سوبرپن اس کی شخصیت میں جھلکتا اس کا ہر رنگ کمرے کی ترتیب میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ یونہی ٹہلتی ایک ایک چیز کا جائزہ لیتی اپنی سمجھ کے مطابق مناسب ردوبدل بھی کرتی رہی۔ پھر نجانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ رائٹنگ پیڈ سے ایک صفحہ نکال کر مسکراتے ہوئے لکھنے لگی۔

"کچھ لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مسکراتے ہوئے کتنے اچھے لگتے ہیں تو شاید وہ مسکرانے میں کبھی اتنی کنجوسی سے کام نہ لیں۔"

اس نے احتیاط سے اس کے بک ریک میں ترتیب سے رکھی کتابوں میں سے ایک میں رکھ دیا۔ سکینہ اپنا کام ختم کر کے اس کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھنے لگی تو اسے باہر جانے کا کہہ کہ وہ خود سارے کمرے میں ایک طائرانہ نگاہ ڈالتی قدرے مطمئن سی باہر نکل آئی۔

مسلسل گھومنے پھرنے سے وہ بری طرح تھکان محسوس کر رہی تھی۔ سو اچھی طرح شاور لے کر کھانا کھائے بغیر سوئی تو شام کی خبر لائی تھی۔ منہ پر پانی کے چھپاکے مارتی ہاتھوں سے بالوں کو سلجھاتی وہ باہر آگئی تھی۔ بھوک تو ابھی بھی کچھ خاص محسوس نہیں ہو رہی تھی البتہ چائے کی طلب ہوئی تو ملازمہ کو اچھی سی چائے کے ساتھ کچھ ہلکا پھلکا لانے کا کہہ کر لان کی جانب بڑھ گئی۔

سفید پھولوں کے کنج کے پاس جھولے پر پلکیں موندے ہولے ہولے کچھ گنگناتی وہ ہوا میں رچی پھولوں کی باس اپنی سانسوں میں اتار رہی تھی۔ محمد خان کچھ ثانیے تک اسے یونہی کھڑا دیکھتا رہا پھر سفید پھولوں کی ڈھیر ساری کلیاں توڑ کر اس کی جھولی میں ڈال دیں۔

ماہ رخ نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ بلو نیکر پر سفید شرٹ پہنے وہ بہت فریش لگ رہا تھا۔ ماہ رخ اپنی جھولی میں پڑی سفید کلیاں دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"ماہ رخ! ایک بات کہوں؟"

"ہاں!"

"میں بھی جب میں وہاں سے آرہا تھا تو تم اتنی پیاری لگ رہی تھیں اتنی پیاری کہ بس!" اپنے مخصوص انداز میں ماتھے پر گرے بالوں کو جھٹکتا وہ جوش سے کہہ رہا تھا۔ ماہ رخ کو ہنسی آگئی۔

"کوئی نہیں، اتنی کالی تو ہوں کیا ہوتا جو میں مما کی طرح خوبصورت ہوتی۔" اس نے گویا سمجھ کر سرہلایا تھا۔

"مما خوبصورت ہیں اور تم پیاری ہو، بہت پیاری!" کتنی گہری بات کہہ گیا تھا وہ۔ ماہ رخ کو وہ ایک دم بڑا بڑا اور بہت سمجھدار دکھائی دیا تھا۔ اسی وقت نذیراں چائے کے ساتھ مجتبیٰ کا پیغام لے کر آئی تھی۔ وہ اسے اپنے کمرے میں بلا رہا تھا۔ ماہ رخ واپس آکر چائے پینے کا ارادہ کرتی کچھ حیران سی ہوتی اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"کس سے پوچھ کر میرے کمرے میں گھسی تھیں تم؟" غضب ناک لہجہ، کڑے تیور، ماہ رخ کا حلق خشک ہونے لگا۔

"وہ میں نے سکینہ سے..."

"میری چیزوں کو چھیڑنے سے پہلے مجھ سے پرمیشن لی تھی؟"

"نہیں اصل میں۔"

"میں اپنے کمرے میں گھسنے اور اپنی چیزوں کو چھیڑنے کی اجازت ہر کسی کو نہیں دیا کرتا۔"

"جی! لیکن میں نے سوچا..."

"اوف!" اس بار بھی اس کی بات پوری سننے سے قبل وہ دھاڑا تھا۔

ماہ رخ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی اور پلٹتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئی۔ آنسوؤں کی دھند کے سامنے سب کچھ دھندلا رہا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

پورے دو دن وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔

قصور کیا تھا میرا جو اتنی باتیں سنا ڈالیں۔ اسے رہ رہ کر یہی خیال ستاتا اور آنکھیں چھم چھم برسنے لگتیں۔ بوا کی جان پر بن آئی تھی۔ منت ' سماجت ' لاڈ ' پیار ' چمکارنا سب بے کار گیا تھا۔ اور ابھی بھی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ اس نے جھلا کر کشن کانوں پر رکھ لیا۔

"چھوٹی بی بی! محمد خان۔۔"

"اوہ!" ساجدہ کی بات پوری سنے بغیر وہ کشن ایک طرف پھینکتی باہر کی جانب بھاگی تھی۔ وہ لان کی سیڑھیوں پر دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ تھامے اتنا اداس لگ رہا تھا کہ ماہ رخ نے سو بار خود پر لعنت بھیجی۔

"محمد خان!" وہ اس کے قریب سیڑھی پر بیٹھ گئی تھی۔ محمد خان کی گہری بھوری آنکھیں دھندلائیں اور ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔ ماہ رخ کی جان نکلنے لگی۔

"میں تمہیں برا نہیں کہہ رہا لیکن تم کبھی کبھی بری بن جاتی ہو۔" دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا تھا۔ ماہ رخ ساکت رہ گئی پھر کھینچ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"تمہیں بھوک لگی ہے خان؟"

"میں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ بمشکل اپنے آنسو پیتی اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن میں آگئی۔

"آج میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے ایسے مزے کا لنچ کراؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گے۔" اسے چیئراپ کرنے کے لیے اس نے خوب دل لگا کر پھرتی سے اس کا فیورٹ پاستا اور چکن سینڈوچ بنائے پھر کوک کا ٹن نکال کر وہیں کچن میں ڈائننگ ٹیبل سیٹ کردی۔ محمد خان برابر اس کی ہیلپ کراتا رہا تھا۔ بھوک چونکہ دونوں کو لگ رہی تھی اس لیے خوب ڈٹ کر کھایا۔ کھانے کے بعد انہیں ریکٹ اٹھائے لان میں جاتا دیکھ کر بوا کی جان میں جان آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن اس کا میٹرک کا رزلٹ آگیا۔ اس نے حسب توقع فرسٹ ڈویژن لی تھی۔ محمد خان کے ساتھ رقص کرتی وہ سارے گھر میں گول گول گھوم رہی تھی۔ مما ایک فیشن شو میں شرکت کے لیے دبئی گئی ہوئی تھیں اور بابا اسلام آباد اس لیے وہ اپنی خوشی محمد خان کے ساتھ انجوائے کررہی تھی۔

"ہم ہوگئے کامیاب!" رقص کرتے پاؤں اچانک تھمے تھے۔

"مبارک ہو!" اس دن کے بعد اس کا آج مجتبیٰ سے سامنا ہوا تھا۔

"تھینکس!" نیچے رلتے سبز دوپٹے کا پلو اٹھا کر پیچھے ڈالتے ہوئے وہ محتاط ہوئی تھی۔

"تیار رہنا تم دونوں آج ڈنر باہر کریں گے۔"

"یاہو!" محمد خان خوشی سے اچھلا تھا۔ وہ سر جھکا کر مسکرادی۔ مجتبیٰ اس پر ایک نگاہ ڈالتا سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

پہلی بار یوں گھر سے باہر نکلنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ محمد خان بلیک پینٹ پر سر... ٹی شرٹ پہنے بہت جاذب نظر لگ رہا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے بھی سرخ و سیاہ امتزاج کا نفیس ٹخنوں کو چھو... فراک پہن لیا اور نکلتے وقت گاڑی کا دروازہ کھولے مجتبیٰ کو دیکھ کر وہ کھل کر مسکرائی تھی۔ اس نے بلیک جینز پر سرخ دھاریوں والی بلیک شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ مسکراتا' محمد خان کے بچکانہ تبصروں پر بات بات پر محظوظ ہوتا وہ کہیں سے بھی خشک مزاج مجتبیٰ نہیں لگ رہا تھا۔ اس بار ماہ رخ نے اس کا یہ روپ امر ہوجا...

کی دعا نہیں کی تھی۔ لیکن کچھ دعائیں بنا مانگے مستجاب ہوجاتی ہیں۔ اس کا اندازہ اسے آنے والے اگلے چند دنوں میں بخوبی ہوگیا تھا۔

ایک دن اسے "The Button Button" پڑھاتے وہ اچانک کہہ رہا تھا۔

"ماہ رخ! تم کچھ عجیب سی نہیں ہو؟ تمہاری عمر کی لڑکیاں فیشن ' پارٹیز ' شاپنگ کے لیے ہلکان ہوئی جاتی ہیں لیکن تمہیں ملازماؤں کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کروانے ' خانساماں کو نت نئی ہدایات دینے ' مالی بابا کے ساتھ پودوں کی اقسام پر گھنٹہ بھر بحث کرنے اور محمد خان کے ساتھ ٹینس کھیلنے کے علاوہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔" ماہ رخ کو اس کے تجزیے پر ہنسی آگئی تھی۔

اس کی دوستوں نے اسے سننے کے لیے "جسٹن بیبر" کی سی ڈی دی تھی۔ اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے بعد سننے کی پرزور تاکید بھی کی۔ اس نے خاموشی سے سی ڈی لینے کے بعد دوسرے دن بغیر سنے واپس بھی کردی۔ اسے کمپیوٹر چلانا نہیں آتا تھا۔ مجتبیٰ کو پتا چلا تو عقب سے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے بولا۔

"آج کل ٹیکنالوجی عروج پر ہے اور تمہیں ابھی تک ہارڈ ویئر اور سوفٹ ویئر کا ہی پتا نہیں۔ شام میں جب فارغ ہوجاؤ تو میرے کمرے میں آجانا تمہیں تھوڑا بہت گائیڈ کردوں گا۔" اور دوسرے ہی دن سے مجتبیٰ کے کمرے میں اس کی کمپیوٹر کلاسز کا آغاز ہوگیا۔ مجتبیٰ کے سمجھانے کا طریقہ اتنا واضح اور بھرپور تھا کہ چند ہی دنوں میں وہ خود کو "کمپیوٹر ماسٹر" سمجھنے لگی تھی۔

ایک دن اس کی بات پر بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔ مجتبیٰ نے ایک صفحہ اس کی نگاہوں کے سامنے لہرایا۔

"کچھ لوگوں کو اگر یہ پتا چل جائے کہ وہ ہنستے ہوئے اتنے پیارے لگتے ہیں کہ نظر لگ جانے کا خدشہ ہوتا ہے تو شاید وہ ہنسنے میں اتنی فیاضی سے کام نہ لیں۔" ماہ رخ پڑھ کر جھینپ گئی تھی۔ اسے اپنے لکھے الفاظ یاد آگئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"محمد خان۔۔۔!"

"ہوں؟"

"Describe me in 2 words!"

(مجھے دو لفظوں میں بیان کرو) کتاب پر جھکے محمد خان نے سر اوپر اٹھایا تھا پھر پر تیقن لہجے میں کہا۔

"No Comparison!"

ماہ رخ کھل کر مسکرائی تھی۔ اپنے کمرے کی جانب بڑھتے مجتبیٰ کے قدم تھمے تھے۔

"ماہ رخ! یار اچھی سی چائے تو پلاؤ۔" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ محمد خان کی گہری بھوری آنکھوں میں ناگواری در آئی۔ اس نے بے ساختہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبایا تھا۔

"کیا ہوا؟" ماہ رخ کو یکایک اس کے بگڑتے موڈ کا اندازہ ہوا تھا۔

"مجھے ان کا تمہیں یار کہنا اچھا نہیں لگا۔" وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

"ارے!" ماہ رخ کو ہنسی آگئی۔

"وہ کیوں بھلا؟"

"بس تمہیں کوئی بھی یار کہے گا مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" عجب بے نیازی بھرا انداز تھا۔

"او میرا غیرت مند خان!" وہ پیار سے اس کے بال بکھیرتی چائے بنانے کچن میں چلی گئی تھی۔ مجتبیٰ کو اس کے ہاتھ کی چائے بہت پسند تھی اس لیے وہ اکثر فرمائش کرکے اس سے بنواتا رہتا۔

مما' بابا لاکھ مصروف سہی لیکن وہ ماہ رخ اور محمد خان کی برتھ ڈے منانا کبھی نہیں بھولتے تھے۔ اس دن ایک شاندار سے کیک کا آرڈر دیا جاتا اور چند ایک قریبی دوستوں کو مدعو کرکے گھر کے لان میں ہی چھوٹی سی پارٹی ارینج کی جاتی مجتبیٰ کو اپنی سالگرہ منانا پسند نہیں تھا۔ وہ زندگی کا ایک سال کم ہونے پر جشن منانے کو

فضولیات گرادیتا آج شام محمد خان کی برتھ ڈے پارٹی تھی۔ اور ماہ رخ نے اس سلسلے میں ساری ارینج منٹس خود اپنے ہاتھوں سے کی تھی۔

محمد خان نے اس کے منتخب کردہ سفید کاٹن کے شلوار قمیص پر سیاہ جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ جبکہ وہ خود گہرے کلر کے چوڑی دار پاجامے کے ساتھ لانگ شرٹ پہنے اپنی تیاری کو آخری ٹچ دے رہی تھی۔ کمر تک آتے سلکی بالوں کو تھوڑا سا اوپر کرکے کیچر میں قید کیا باقی پیچھے کھلے چھوڑ دیے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی وہ سینڈل کے اسٹریپ بند کرنے کے لیے جھکی تو سلکی بالوں کی آبشار بائیں کندھے پر آگری اس نے یونہی جھکے جھکے دروازے کی سمت دیکھا اور ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

مجتبیٰ مسکراتے ہوئے اندر آگیا تھا۔

"تمہارا ایک گفٹ ڈیو تھا مجھ پر۔ مجھے لگا اسے دینے کا مناسب موقع پھر نہیں ملے گا۔"

اپنے اور اس کے بیچ چند قدموں کا فاصلہ بہت آسانی سے پاٹتا وہ عین اس کے سامنے آن ٹھہرا تھا۔ وہ ماہ رخ کی سانسیں الجھنے لگیں۔ مجتبیٰ اس کا ہاتھ تھام کر ننھے منے ڈائمنڈ سے جگمگاتا انتہائی نفیس بریسلیٹ اس کی کلائی میں پہنانے لگا۔

"کیسا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"بہت پیارا۔" ماہ رخ نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑوالیا تھا۔

"تم پیاری چیزیں ڈیزرو کرتی ہو۔" ماہ رخ کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس نے پوری طرح خود کو اس لمحے کے فسوں میں جکڑا محسوس کیا۔ باہر دروازے پر قدموں کی چاپ ابھری اور اس کے نام کی پکار پڑنے لگی۔ فسوں ٹوٹ گیا۔

وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکلے تھے۔ انہیں ایک ساتھ آتا دیکھ کر سکندر علی کچھ چونک سے گئے۔ انہوں نے آج پہلی بار اپنی جواں بیٹی کو باپ کی نظر سے دیکھا تھا۔ اپر کلاس سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ سنجیدگی سے ماہ رخ کی شادی وقت پر کرنے کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔ ان کی نظر میں ایک دو اچھے رشتے تھے۔ لیکن! یہ تو بالکل سامنے کی بات تھی۔

مجتبیٰ اور ماہ رخ! ماہ رخ اور مجتبیٰ!

انہیں اپنے اندر سکون کی لہر اترتی محسوس ہوئی تھی۔

محمد خان کے دائیں جانب مما اور بائیں جانب بابا کھڑے تھے۔ وہ اس کے عقب میں جاکر کھڑی ہوگئی۔ محمد خان کے لمبے چوڑے مضبوط سراپے کے پیچھے اس کا کامنی وجود تقریباً "چھپ گیا تھا۔ اس کا قد ماہ رخ سے اونچا ہو گیا تھا اس کے مضبوط شانوں کو دیکھ کر اسے ویسا ہی احساس ہوا تھا جیسا اپنے ہاتھ سے لگائے کسی پودے کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھلتا پھولتا دیکھ کر کسی مالی کو ہوتا ہے۔

اس نے کیک کا ٹکڑا کاٹ کر مما پاپا کی بجائے پلٹ کر اپنے عقب میں کھڑی ماہ رخ کے منہ میں دے دیا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تھی پھر اس کے ہاتھ سے ٹکرا لے کر اس کے منہ میں دے دیا۔ اس کی کلائی میں پڑے بریسلیٹ کے چھوٹے چھوٹے گھنگھرو بجے تو نظر بے اختیار اپنی طرف دیکھتے مجتبیٰ کی طرف اٹھی تھی۔ اس کا دل مختلف لے پر دھڑکنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"محبت کیا ہے رخ؟"

"محمد خان کی مسکراہٹ!"

"اور زندگی"

"محمد خان کی آنکھیں!"

"اور کائنات؟"

"محمد خان کی ذات!"

بابا نے ماہ رخ کی سفارش پر اسے بائیک خرید کر دی تھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ بہت احتیاط سے اسے چلائے گا اور اب ماہ رخ کو لیے تارکول کی سیاہ شفاف سڑک پر اسے اڑائے پھر رہا تھا۔ اس کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھے وہ ہوا سے اڑتے اپنے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستی خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس

کررہی تھی۔ اس پل ایک عجیب سی خواہش نے اس کے اندر انگڑائی لی تھی۔ محمد خان کے ساتھ اسی بائیک پر بیٹھ کر پوری دنیا گھومنے کی خواہش۔۔۔ اپنے اس خیال پر اسے بہت زور کی ہنسی آئی تھی۔

"اکثر پاگل لوگ بلاوجہ ہنستے ہیں۔"

"نہیں، کبھی کبھی پاگلوں کو دیکھ کر عقل مندوں کو بھی ہنسی آجاتی ہے۔"

"آئس کریم کھاؤ گی؟"

"نہیں، تمہارا گلا خراب ہوجائے گا۔"

"میں اپنی نہیں تمہاری بات کررہا ہوں۔" اس نے سڑک کے کنارے ایک آئس کریم پارلر کے قریب بائیک روک دی تھی۔ ماہ رخ دوپٹا سنبھالتی اس کے پیچھے اتر آئی۔

ہر قسم کی فکر سے آزاد یوں سرراہ آئس کریم کھاتے اور آس پاس کے لوگوں پر بچکانہ تبصرے کرتے اس نے خوب انجوائے کیا تھا۔

"واہ بھئی! کیا عیش ہیں؟" پاس سے گزرتے دو آوارہ لڑکوں نے آواز کسی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سوچ پاتی محمد خان نے چیتے کی طرح ان دونوں کو دبوچ لیا تھا۔

"محمد خان! چھوڑو انہیں۔" ماہ رخ بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ آس پاس کے لوگ بنا ٹکٹ کے تماشا دیکھنے لگے تھے۔ محمد خان پہ جیسے خون سوار ہو گیا تھا۔ وہ مضبوط جسامت کا مالک کراٹے بوائے' دو منٹوں میں دونوں لڑکوں کو گیدڑ کی طرح گھگھیا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"محمد خان! چلو پلیز۔" وہ آستین سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھتا بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ ماہ رخ نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ اس کے کندھے پر ٹکایا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" یہ بات اسے پوچھنی چاہیے تھی لیکن پوچھ وہ رہا تھا۔

"ہاں! میں ٹھیک ہوں۔" اس نے خود پر قابو پانے کی سعی کی۔

"تمہیں یوں خود پر سے کنٹرول نہیں کھونا چاہیے تھا محمد خان۔"

"جو تمہاری طرف انگلی اٹھائے گا میں اس کا ہاتھ توڑ دوں گا۔" اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کانوں میں ہیڈ فون گھسائے صوفے پر نیم دراز آنکھیں موندے پاؤں جھلا رہا تھا۔ ماہ رخ کی نظریں ایک بار پھر اس کی طرف اٹھی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ہاتھوں میں تھامار یموٹ پٹخا اور اس کے کانوں سے ہیڈ فون کھینچ لیا۔

"مجھے تم سے ایک بات شیئر کرنی ہے۔" اس کی استفہامیہ نگاہوں پر وہ آرام سے بولی۔ محمد خان صوفے سے پاؤں نیچے رکھتا پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ کچھ اس طرح کہ اس سے کچھ فاصلے پر وہ کشن گود میں لیے اس کے عین سامنے بیٹھی تھی۔

"مجھے کسی سے محبت ہوگئی ہے۔"

"لائف پارٹنر والی محبت؟" کتنی پریکٹیکل سوچ رکھتا تھا وہ ماہ رخ کو اس وقت اندازہ ہوا تھا۔

"ہاں۔" اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"کون ہے' کیسا ہے؟" کے بجائے وہ پوچھ رہا تھا۔

"مجھے کب ملواؤ گی اس سے؟"

"جب وہ ایسی کسی مستحکم حیثیت سے میری زندگی میں شامل ہوگا' تو سب سے پہلے تم سے ہی ملواؤں گی۔"

"اور اگر وہ مجھے پسند نہ آیا تو؟"

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اتنا یقین ہے اس پر؟"

"اس پر نہیں تمہاری پسند ناپسند پر یقین ہے۔"

"پھر بھی چلو فرض کرتے ہیں' اگر میری وجہ سے تمہیں اس شخص کی محبت سے دستبردار ہونا پڑے تو؟"

"بات اگر تمہاری خوشی کی ہوئی تو ایسی سو محبتیں قربان۔" وہ دم بخود سا ہو کر رہ گیا تھا۔

خانساماں کو کھانے کے سلسلے میں چند ضروری ہدایات دینے کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی تو

بوا کو اماں وزیراں کے ساتھ اپنے گاؤں کی باتیں کرتا دیکھ کر اس کے دل میں بے اختیار اپنا پرانا گھر دیکھنے کی خواہش شدت سے جاگ اٹھی۔ اپنا گاؤں' وہ کچا پکا گھر اور اماں اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ لان کی سیڑھیوں پر اسے گم سم بیٹھا دیکھ کر محمد خان ٹھٹکا تھا۔ وہ اداس تھی تو آدھا ادھورا چاند' پیڑ پودے' پتے' پھول سب اداس دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بہت خاموشی سے جا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"محمد خان! گاؤں چلیں؟" اس نے گھٹنوں پر گرا سر اوپر اٹھایا تھا۔

"گاؤں؟ وہاں کیا ہے؟"

"میرا گھر' میری اماں کی یادیں اور میرا بچپن۔" اس کی آنکھوں میں گئے دنوں کے رنگ اتر رہے تھے۔

"ہم کل گاؤں چلیں گے رخ۔" محمد خان نے وہی کہا جو اسے کہنا تھا۔

صبح اس نے بابا سے ذکر کیا تو انہوں نے کیفیت سمجھتے ہوئے گاؤں جانے کی اجازت دے دی۔ مجتبیٰ کو اس کا گاؤں جانے کا فیصلہ خاصا احمقانہ لگا تھا۔

"تنی دھول مٹی والے سہولیات سے عاری ماحول میں جا کر کیا کرو گی تم؟ اور محمد خان کو تو ویسے بھی سانس کی پرابلم ہوتی ہے ڈسٹ سے۔"

"میرا کوئی مسئلہ نہیں' ویسے بھی ہم کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہے ہیں۔ گھوم پھر کے واپس آجائیں گے۔" اس کے چہرے کا ایک رنگ پھیکا پڑا تھا' لیکن محمد خان کو ساری کائنات بے رنگ دکھائی دی۔ ماہ رخ کو لگا وہ مجتبیٰ کو اپنی فیلنگز سمجھا نہیں پائے گی سو خاموش رہی۔

"رات سارہ کا بھی فون آیا تھا' کہہ رہی تھی اس بار چھٹیاں گزارنے آپ کے ہاں آنے کا پروگرام بنا رہی ہوں۔" مما نے جوس کا سپ لیتے ہوئے اطلاع دی تھی۔ سارہ ان کے اکلوتے بھائی حیدر کی اکلوتی بیٹی تھی۔ گاؤں جانے کا سن کر بوا کی آنکھیں چمک اٹھیں لیکن جوڑوں میں درد کے سبب وہ سفر کرنے سے قاصر تھیں بس آنکھوں کی نمی پونچھ کر رہ گئیں۔ نکلتے وقت

بابا نے ڈرائیور کو بارہا احتیاط سے ڈرائیو کرنے کی تاکید کی تھی۔ وہ دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔

گاڑی جانے پہچانے کچے پکے راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ برگد کے پیڑ تلے حقہ گڑگڑاتے مرد' گلی میں کھیلتے بچے' پانی کے مٹکے کمر پر اٹھائے دوپٹے کا کونا منہ میں دبائے پگڈنڈی پر چلتی نوخیز کنواری لڑکیاں' وہ پیاسی نگاہوں سے ایک ایک منظر اپنے دل میں جذب کر رہی تھی۔ گھر کی دیکھ بھال پر مامور ملازم حسین اور اس کی بیوی انہیں یوں اچانک اپنے سامنے پا کر کچھ بوکھلا سے گئے۔

"بی بی صاحب! آپ لوگ یوں اچانک... کوئی اطلاع بھی نہیں دی اپنے آنے کی' ہم کوئی انتظام کر لیتے۔" ملازم حسین انہیں لیے اندر آگیا' اس کی بیوی ان کی خاطر تواضع کا بندوبست کرنے کچن میں بھاگی۔

اس کا باغ' جامن کا درخت' املی کے پیڑ پر چڑھتی گلہریاں' بیری کے درخت سے بندھا جھولا سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ بیچ کے سال تو پلک جھپکتے گزر گئے۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں روکتی مختلف آوازوں کی بازگشت میں گھری کھڑی رہی۔

"جھولا جھلائیں میں اماں! خوشیاں منائیں میں اور اماں۔"

"اماں! آئیں میں آپ کو جھولا جھلاؤں' بوا کو بھی لیتی آئیں۔"

"لو بھلا یہ عمر ہے ہم بڈھیوں کی جھولا جھولنے کی' گر گرا کر ہڈی تڑوا بیٹھیں تو باقی کے دن بستر پر لیٹے کاٹنے پڑیں گے۔" سبزی بناتی اماں منہ پر دوپٹا رکھے ہنستی چلی گئیں۔

"اماں! ادھر آئیں' ذرا مجھے ڈھونڈیں تو..."

"ارے بیٹا! کہاں اوپر چڑھی بیٹھی ہو؟ نیچے اترو' اچھی لڑکیاں درختوں پر نہیں چڑھتیں۔"

"یہ گلہریاں کیوں چڑھی رہتی ہیں سارا دن؟" کھینچ کر ایک کچی املی گلہری کو ماری تھی۔

"ان کا تو کام ہی یہی ہے۔"

"یہ کیسا کام ہے؟" شوخ کھلکھلاہٹ پر گلہری نے پتوں کی اوٹ سے جھانکا تھا۔

"اچھا یہ بتائیں لڑکے درخت پر چڑھتے ہیں یا نہیں؟"

"لڑکوں کو کاہے کا ڈر؟ درختوں پر چڑھیں بھلے سے کھمبے پر لٹکیں۔"

"اچھے یا برے لڑکے؟"

"برے لڑکے۔"

"اچھے لڑکے کیوں نہیں چڑھتے؟ انہیں ڈر لگتا ہے؟"

"اپنے باوا سے پوچھنا۔" اماں خفگی سے واپس پلٹی تھیں۔

"ارے اماں! رکیں تو..." بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور سارے سنہری منظر ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ ماہ رخ سسکنے لگی تھی۔

"رخ' پلیز۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ ماہ رخ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور ٹھٹک گئی۔ رومال سے اپنی آنکھوں سے نکلتے پانی کو پونچھتا وہ بہت وقت سے سانس لے رہا تھا۔ چہرے کی سپید رنگت بہت سرخ پڑ گئی تھی۔ اسے ڈسٹ سے الرجی تھی۔

"اوہ! محمد خان تم ٹھیک ہو نا؟"

"ہاں میں ٹھیک ہوں' تم پلیز رو مت۔"

"تمہیں سانس لینے میں پرابلم ہو رہی ہے؟ اوہ گاڈ! آئی ایم سوری محمد خان' مجھے دھیان نہیں رہا۔" وہ شرمندگی سے کہتی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ملازم حسین کی بیوی نے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ وہ محمد خان کی وجہ سے اب ایک منٹ یہاں رکنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن ان کا خلوص بھرا اصرار۔

"کھانا کھا کر چلتے ہیں رخ۔" محمد خان کو بھی بغیر کچھ کھائے اٹھ کر چلے جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن وہ بمشکل نوالے حلق سے اتارتی تشویش سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اسے رہ رہ کر خود پر افسوس ہو رہا تھا۔

"ماہی!" گاڑی کا دروازہ کھولتے وہ ٹھٹکی تھی۔ نیلے آسمانی رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس وہ لمبا تڑنگا یقیناً "کامی" ہی تھا۔

"ملے بغیر ہی جا رہی تھیں؟" وہ شکوہ کناں لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"کیسے ہو کامی؟" وہ اس کے بچپن کا دوست تھا۔ دونوں ایک ساتھ کھیلے تھے۔

"گھر آؤ گیا' یہیں کھڑے کھڑے سب پوچھو گی؟"

"نہیں کامی! ابھی ہمیں جلدی واپس جانا ہے۔ پھر کبھی چکر لگایا تو تمہارے گھر ضرور آؤں گی۔ تمہاری اماں کیسی ہے؟ کیا اب بھی وہ تمہیں مارتی ہے کامی؟"

"وہ اس کامی پر ہاتھ اٹھاتی تھی جو کمزور اور اس کا دست نگر تھا۔ اب وقت کا سکہ الٹا ہے۔ ابے کی وفات کے بعد اسے کامی اپنے چھوٹے بچوں کا سہارا اور اپنی محفوظ پناہ گاہ لگتا ہے۔" وہ ہنسا تھا۔ ماہ رخ' محمد خان اور کامی! تینوں ایک جیسے تھے' ماں اور باپ کے بارے میں' ان تینوں کی تکون کا تیسرا حصہ گر گیا تھا۔ محمد خان کی طبیعت کے پیش نظر وہ جلدی سے گفتگو سمیٹتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان دنوں بابا کو انجائنا کی معمولی سی تکلیف ہونے لگی تھی۔ اس لیے وہ آفس کی بجائے اپنا زیادہ تر وقت گھر میں گزار رہے تھے۔ البتہ مجتبیٰ باقاعدگی سے آفس جا رہا تھا۔ محمد خان کا انٹرسٹ بزنس میں تھا۔ اور وہ پڑھائی کے ساتھ اپنا سیکنڈ ٹائم بزنس کو دینے کا سنجیدگی سے سوچ چکا تھا۔ اور بابا کے نزدیک یہ بہت خوش آئند بات تھی۔

مما کی مصروفیت کا البتہ وہی عالم تھا۔ لیکن سارہ کی وجہ سے وہ اپنی مصروفیات میں سے اچھا خاصا ٹائم نکال کر گھر پر گزار رہی تھیں۔

بے حد گوری چٹی' خوبصورت اور نخریلی سی سارہ حیدر' محمد خان کی ہم عمر تھی۔ کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کیا جاتا' نت نئے پروگرام بنتے' کبھی سی سائیڈ' کبھی

لانگ ڈرائیو تو کبھی شاپنگ' کبھی کبھار آفس سے جلدی آنے پر مجتبیٰ بھی انہیں جوائن کرلیتا اور بہت غیر محسوس انداز میں اس کا کوئی معنی خیز جملہ اور ایک گہری نظر ماہ رخ کو اپنی جگہ مسحور کردیتی۔ وہ خود کو اس کی محبت میں پور پور ڈوبا محسوس کررہی تھی۔ مجتبیٰ بارہا ڈھکے چھپے الفاظ میں اس سے اپنی فیلنگز کا اظہار کرچکا تھا۔ ایسے میں ماہ رخ کی ایک شرمیلی مسکان اس کا کل جواب ہوتی۔

آج سارہ کے کہنے پر ریس کورس جانے کا پروگرام بن گیا تھا۔ ماہ رخ کو فلو ہورہا تھا۔ اس نے جانے سے معذرت کرلی۔ اس کی غیر موجودگی محمد خان کے لیے بنا نمک کے آٹے کی مانند ہوتی تھی۔ پھیکی اور بدمزا اس لیے اس نے فی الفور پروگرام کینسل کردیا۔ نک سک سے تیار سارہ کا موڈ بری طرح آف ہوگیا پھر مما کی خفگی اور ماہ رخ کے اصرار پر وہ سارہ کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ لیکن وہاں جاکر اس کا سارا دھیان ماہ رخ کی طرف لگا رہا تھا۔ سارہ کے ساتھ پہلو بہ پہلو موجود ہوتے ہوئے بھی وہ اسے اپنے ساتھ موجود محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کا رخ نامہ سنتے ہوئے بور ہونے سے کہیں بہتر اسے واپس گھر جانا لگا تھا' سو بہت جلد دونوں واپس آگئے۔

گھر پہنچتے ہی وہ اپنی طرف کا گاڑی کا دروازہ بند کرتا تقریباً" بھاگتے ہوئے اندر چلا گیا تھا۔ سارہ بے حد سبکی محسوس کرتی خود ہی گاڑی سے اتر کے اندر آگئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے تنہا ڈائننگ ٹیبل پہ چھچے کانٹے کے ساتھ الجھا دیکھ مما ٹھٹکی تھیں۔

"سارہ! جانو' اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ کھانا کھالیا تم نے؟"

"مجھ سے اکیلے کھانا نہیں کھایا جاتا پھپھو اور آپ کا صاحب زادہ مجھ سے جان چھڑوا کر نہ جانے کہاں بھاگ گیا۔" وہ سخت جھلائی ہوئی تھی۔ خوب صورت چہرے پر برہمی کے آثار بہت واضح تھے۔ مما کو محمد خان سے اس بد تہذیبی کی توقع نہیں تھی۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ کچھ سوچ کر وہ ماہ رخ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"مائی گاڈ! اچھا خاصا ٹمپریچر ہورہا ہے' تمہیں اور صبح سے رٹ لگا رکھی تھی معمولی سا فلو ہے ابھی ٹھیک ہوجائے گا۔"

"آئی ایم ناٹ اے بے بی محمد خان۔"

"یس! بٹ یو آر بی ہیونگ لائیک اے بے بی۔"

"مما!" اس نے گردن موڑ کر دروازے پر ایستادہ مما کو دیکھا تھا۔

"مما! رخ کو ٹمپریچر ہورہا ہے۔ آپ پلیز ملازمہ سے منگوا کر اسے کچھ کھانے کو دیں' پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں' ٹھیک ہے رخ؟" وہ تیزی سے بات ختم کرتا اٹھ کر باہر نکل گیا اور مما جو اسے غلط رویے کا احساس دلانے آئی تھیں ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔ کچھ ایسا تو تھا جو انہیں کھٹک گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ کوئی پریشانی ہے کیا؟" رات کو انہیں اضطراری انداز میں کچھ سوچتا دیکھ کر بابا پوچھے بنا نہ رہ سکے۔

"آں... کچھ نہیں... آپ کو سارہ کیسی لگی سکندر؟" وہ کہنا کچھ اور چاہ رہی تھیں لیکن نکل کچھ اور گیا۔

"اچھی بچی ہے۔"

"میں اس کے لیے محمد خان کا سوچ رہی تھی۔ ویسے بھائی جان نے بھی مجھ سے ڈھکے چھپے لفظوں میں ایک آدھ بار سارہ اور محمد خان کے رشتے کی بات کی ہے۔" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے بابا نے سر ہلاتے گویا ان کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"اور ماہ رخ! وہ بڑی ہے' ہمیں پہلے اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔" ان کی نگاہیں نیلم کے چہرے پر جم گئیں' کچھ کھوجتی' اخذ کرتی نگاہیں۔

"ماہ رخ کے لیے مجھے مجتبیٰ کا پرپوزل بیسٹ لگا ہے۔ وہ خود بھی ماہ رخ میں انٹرسٹڈ ہے۔ باقی جو آپ کو مناسب لگے۔" ایک اطمینان بھری سانس ان کے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔

"بہرحال! میں ماہ رخ کا عندیہ ضرور لینا چاہوں گا۔"

"ظاہر ہے اس کی مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہوگا۔"



ماہ رخ نے محمد خان کے ہفتہ بھر کے استری شدہ کپڑوں کا ایک بار پھر جائزہ لیا اور کچھ مطمئن سی ہوتی اس کے کمرے میں چلی آئی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ یقیناً" شاور لے رہا تھا۔ ماہ رخ مگن انداز میں اس کی الماری میں کپڑے ترتیب سے رکھنے لگی۔ اسی اثنا میں بیڈ پر پڑا محمد خان کا موبائل بج اٹھا۔ تھوڑی دیر بجتے رہنے کے بعد خود ہی خاموش ہوگیا۔ ماہ رخ کام ختم کرکے الماری بند کرتی پلٹی تو موبائل ایک بار پھر بجنے لگا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے موبائل اٹھالیا۔

"ژالے کالنگ۔" حیران سی ہوتی وہ کال اوکے کرکے موبائل کان سے لگا چکی تھی۔

"ہیلو محمد خان! کہاں غائب ہو؟ کال ریسیو کیوں نہیں کررہے تھے میری؟ تم جانتے ہو۔" بے تکلف لب و لہجہ استحقاق جتاتے الفاظ ماہ رخ شاکڈ سی بیٹھی رہ گئی۔

کال بے جان ہوئی تو اس نے جلدی سے ان باکس کھولا۔ جوں جوں وہ میسجز پڑھتی جارہی تھی' اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جارہا تھا۔ وہ ایک دم موبائل غصے سے بیڈ پر اچھالتی باہر نکل گئی اور اپنے پیچھے زوردار دھماکے کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا۔

اگلے کچھ دنوں میں ہوا یوں' کہ محمد خان اچھا خاصا زچ ہوکر رہ گیا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر اس کا انتظار کرتا رہ جاتا۔ ادھر سے جواب ملتا میں کھانا کھاچکی ہوں۔ رات کو حسب عادت لان میں چہل قدمی کرتا وہ اپنی ریسٹ واچ پر نگاہیں دوڑاتے برابر اس کا انتظار کیے جاتا لیکن خبر ہوتی کہ محترمہ سوچکی ہیں۔ اس کے پسندیدہ ڈرامے کا ٹائم شروع ہوتے ہی ٹی وی لگا کر بیٹھ جاتا لیکن معلوم ہوتا وہ اب سیکنڈ ٹائم ڈرامہ دیکھتی ہے۔ محمد خان اپنے بال نوچنے والا ہوگیا۔ پورے سات دن بعد وہ اسے کچن سے نکلتی دکھائی دی تھی۔ محمد خان نے وہیں اسے جا لیا۔

"کیوں کررہی ہو میرے ساتھ ایسا؟"

"ہٹو سامنے سے' مجھے تمہارے جیسے دھوکہ باز انسان سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ اس کا ہاتھ کھینچتا لان کی سیڑھیوں کی جانب لے آیا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ دو چبھتی نگاہوں نے بہت تنفر سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"اب بتاؤ کون سے دھوکے کی بات کررہی ہو؟"

"ژالے کون ہے؟" اس نے چبا چبا کر پوچھا تھا۔

"اوہ..." محمد خان سر پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے' میں اس کے تمام میسجز پڑھ چکی ہوں اور اپنے کانوں سے اس کی کال بھی سن چکی ہوں' اس لیے کوئی جھوٹ مت بولنا۔"

"کلاس فیلو ہے میری' پہلے اسکول' پھر کالج اور اب یونیورسٹی' پٹھان فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ اب تک میں اسے اپنی صرف ایک دوست ہی سمجھتا رہا لیکن اب... اب کچھ عرصے سے مجھے محسوس ہوا' مطلب میرے دل میں مختلف فیلنگز' ایکچولی...." کچھ کنفیوژ سا' سر جھکائے اٹک اٹک کر بولتا' ماہ رخ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ امڈی تھی' جسے اس نے مہارت سے دانتوں تلے دبالیا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے' تم نے اتنی بات مجھ سے چھپائی اور اگر اس دن اتفاقاً" مجھے وہ سب پتا نہ چلتا تو تم مجھے کبھی نہ بتاتے۔"

"نہیں رخ! ایسا نہیں ہے۔ قسم سے میں یہ بات سب سے پہلے تمہیں ہی بتانے والا تھا وہ تو بس ابھی میں کچھ کنفیوژ سا تھا کہ آیا یہ کوئی وقتی جذبہ ہے یا واقعی اسپیشل فیلنگز۔" اس نے ایک بار پھر سر جھکا لیا تھا۔ کچھ جھینپا' کچھ شرمایا سا' ماہ رخ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آرہا تھا۔

"پھر کنفیوژن دور ہوئی' کوئی وقتی جذبہ ہے یا

واقعی اسپیشل فیلنگز؟"

"میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں رخ!"

"مجھ سے کب ملوا رہے ہو اسے؟"

"تم اس سے ملوگی رخ؟ پتا ہے میں نے اسے تمہارے بارے میں سب بتایا ہے اور وہ تمہارے بارے میں شدید بے یقینی کا شکار ہے۔ پتا نہیں کیوں اسے لگتا ہے تم اس سے جیلسی فیل کروگی۔"

"تم نے اسے بتایا نہیں کہ میری رخ ایسی نہیں ہے؟" اس کا لہجہ بہت مدھم تھا۔

"نہیں' میں نے اس سے کہا دوبارہ رخ کے بارے میں ایسی بات کی تو میں تمہیں تھپڑ دے ماروں گا۔" اس کا مضبوط لہجہ اور کھرے الفاظ' ماہ رخ کو خوف آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے دوست کی بہن کی شادی میں ماہ رخ کے جانے کی کیا تک بنتی ہے بھلا؟" مما اور مجتبیٰ کا اعتراض ملتا جلتا تھا۔ ژالے نے اپنی بڑی بہن کی شادی میں ان دونوں کو شمولیت کی بصد اصرار دعوت دی تھی۔ ماہ رخ اس سے ملنے کا یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے جانے کے لیے فوراً" تیار ہوگئی۔

"مما! اب میں شادی بیاہ کی تقریب میں اکیلا جاتا اچھا لگوں گا کیا؟ آپ نے اپنی میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے' سارہ بی بی کے سر میں درد ہے اور پھر انہوں نے اتنے اصرار سے بلایا ہے میرا جانا لازمی بنتا ہے۔" اسے مما اور مجتبیٰ کا اعتراض بے جا لگا تھا۔

سارہ نے ماہ رخ کی وجہ سے اس کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا۔ معقول بہانہ سر درد کی صورت میں موجود تھا۔ ان دونوں کے ساتھ کہیں بھی جاتے ہوئے نہ جانے کیوں اسے اپنی بیکی کا احساس شدت سے ہوتا۔ ایک دوسرے میں مگن محض لمحہ بھر کے لیے اس کی جھولی میں اپنی توجہ کے سکے ڈالنے کے بعد وہ پھر سے اس سے بے نیاز ہوجاتے۔ سارہ حیدر کو ادھورے پن سے نفرت تھی۔ وہ اتنے کم پر قانع ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔

بلیک پینٹ پر لائٹ گرین شرٹ پہنے ڈھیر سارا پرفیوم خود پر انڈیلے' ہاتھوں سے بالوں کو سنوارتا محمد خان بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ ماہ رخ پرپل کلر کے چوڑی دار پاجامے کے ساتھ ہلکے کام والی لانگ شرٹ پہنے ساتھ میں بڑا سا ہم رنگ دوپٹا پھیلائے اپنی تیاری کے بارے میں اچھی خاصی کانشس ہورہی تھی۔

"اب بائیک پر مت بیٹھ جانا تم دونوں' میری گاڑی لے۔" مجتبیٰ کی آواز بائیک اسٹارٹ ہونے کے شور میں دب گئی تھی۔ وہ لب بھینچے جلتی آنکھوں سے محمد خان کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ماہ رخ کی پشت کو دیکھے گیا۔

"اتنا پروٹوکول' اتنا وارم ویلکم۔" ماہ رخ حیران رہ گئی تھی۔ وہ سب محمد خان اور اسے خوب اہمیت دے رہے تھے۔ ژالے کی ماں زرجان بی بی نے جس طرح والہانہ انداز میں محمد خان کی پیشانی چومی تھی' ماہ رخ نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر جھکالیا۔

قندھاری انار کی طرح سرخ ژالے آفریدی اس کے سامنے اچھی خاصی کنفیوژ ہورہی تھی۔ ماہ رخ کو وہ بہت پسند آئی تھی اور اس نے اپنی پسندیدگی کا اس کے سامنے کھلم کھلا اظہار بھی کردیا۔ (مجھے تو ہر اس چیز سے محبت ہوجاتی ہے جسے محمد خان چھوتا ہے' پھر تم تو ایک جیتی جاگتی انسان اس کی محبت ہو' تمہیں میں کیسے ناپسند کرسکتی ہوں۔) ژالے کی بھابھی پلوشے محمد خان کا ہاتھ پکڑے اسٹیج پر لے گئی تھی جہاں مختلف رسمیں عروج پر تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ژالے کو کسی نے پکارا تو وہ معذرت کرتی اس طرف چلی گئی۔ ماہ رخ یوں ہی ایک کرسی پر بیٹھ کر گرد و پیش کا جائزہ لینے لگی۔

وہ سفید کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس شموئیل خان آفریدی کی نگاہ بھٹکانے کا سبب بن رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ کولڈ ڈرنک کے دو گلاس لیے اس کی جانب چلا آیا تھا۔

"لگتا ہے آپ بور ہورہی ہیں؟" اس کی طرف کولڈ ڈرنک کا گلاس بڑھاتے وہ بے تکلفی سے ساتھ والی

کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ ماہ رخ نے ہاتھ میں پڑے بریسلیٹ کو گھمانے کا شغل ترک کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک کا گلاس لے لیا۔

"شادیوں میں کون بور ہوتا ہے؟" وہ بہت جلد کسی سے بے تکلف نہیں ہوتی تھی لیکن یہاں وہ سب کو محمد خان کے ہونے والے سسرال کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ سو اپنی عادت کے برخلاف کولڈ ڈرنک کے سپ لیتی اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ یوں ہی چھوٹی چھوٹی بے ضرر باتیں۔ (یہ پٹھان لوگ اتنے خوب صورت کیوں ہوتے ہیں۔) اسٹیج پر سے ہوتی اس کی نگاہ ساتھ بیٹھے شموئیل خان کے سنہری روئیں والے سرخ و سفید مضبوط ہاتھوں پر بھٹکی تھی۔ پھر وہ سر جھٹک کر سامنے سے آتے محمد خان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"شموئیل لالہ! آپ نے رخ کو اچھی کمپنی تو دی نا؟" وہ ہنستے ہوئے ان سے پوچھ رہا تھا۔ شموئیل کندھے اچکاتا اسے دیکھنے لگا جو محمد خان کے آتے ہی سب سے بے نیازی اس سے واپسی کا پوچھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

مما کا منہ مارے حیرت کے کھل گیا۔ انہوں نے خاصے اچنبھے سے اس کا پرسکون چہرہ دیکھا تھا۔ جو اپنا جواب دے کر مکمل طور پر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ان کی کولیگ مسز آفندی نے اپنے گھر گیٹ ٹوگیدر رکھی تھی۔ وہ ماہ رخ' محمد خان اور سارہ کو بھی اپنے ساتھ ان کے ہاں لے کر گئی تھیں۔ مسز آفندی اپنی چھوٹی بیٹی انوشہ کے لیے ان سے محمد خان کی بابت تذکرہ کرچکی تھیں۔ ان کی سوسائٹی میں اپنے منہ سے بیٹی کے لیے خود سے ذکر کرنا معیوب بات نہیں تھی۔ اس لیے انہوں نے خاصے اعتماد کے ساتھ محمد خان کو اپنی فرزندی میں لینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اگرچہ مما کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ محمد خان کے لیے سارہ کو فائنل کرچکی تھیں۔ لیکن واپسی پر انہوں نے یوں ہی بر سبیل تذکرہ محمد خان سے پوچھ لیا۔

"تمہیں انوشہ کیسی لگی محمد خان؟"

"رخ کو اس کے بیٹھنے کا اسٹائل پسند نہیں آیا تھا اس لیے وہ مجھے بھی اچھی نہیں لگی۔" اس کے اطمینان بھرے جواب نے انہیں اچھا خاصا بے اطمینان کردیا تھا۔

ان کے بیٹے کو ایک بے حد خوب صورت' ویل مینرڈ لڑکی اس لیے اچھی نہیں لگی کیونکہ ماہ رخ کو اس کے بیٹھنے کا اسٹائل پسند نہیں آیا تھا۔ ان دنوں زیادہ تر وقت گھر پر گزارنے کی وجہ سے وہ اتنا تو جان گئی تھیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت اٹیچ تھے۔ لیکن یہ اٹیچمنٹ اس حد تک ہوگی ان کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

"مما! رخ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اسے ریسٹ کرنے دیں اور سارہ ابھی یہیں پر تو ہے' پروگرام پھر کبھی بن جائے گا۔"

"رخ! تھکی ہوئی ہے مجتبیٰ بھائی! آپ نذیراں سے کہہ کر چائے بنوالیں۔"

"میری وائٹ شرٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی نہیں مل رہی رخ۔" مختلف اوقات میں مختلف جملے ان کے کانوں سے ٹکرائے تھے۔ لیکن وہ پوری توجہ سے اب انہیں سن رہی تھیں' مفہوم اخذ کررہی تھیں۔

"اف! آندھی آنے والی ہے' محمد خان کے کمرے کا دروازہ بند کردو' ڈسٹ اندر چلی جائے گی۔" وہ' دو' دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتی وہ خود دروازہ بند کرنے کے لیے بھاگی تھی۔

"اونہوں۔۔۔ سکینہ کھانے کی ٹیبل پر آج سلاد نہیں ہے محمد خان سلاد کے بغیر کھانا نہیں کھاتا۔" وہ اپنا کھانا ادھورا چھوڑ کر سلاد بنانے کچن میں چلی گئی تھی۔

"یہ والے شوز اچھے طریقے سے پالش کردو۔ محمد خان فرائیڈے کو یہ شوز پہنتا ہے۔"

"نہیں سارہ! آئس کریم رہنے دو محمد خان کا گلا خراب ہوجاتا ہے آئس کریم سے۔" آوازوں کا شور بڑھتا جارہا تھا۔

"محمد خان یہ۔۔۔ محمد خان وہ۔۔۔" محمد خان اور ماہ

رخ.... ماہ رخ اور محمد خان۔
"اوہ مائی گاڈ۔" وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

اس نے اضطراری انداز میں ایک بار پھر وال کلاک کی جانب دیکھا تھا۔ بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک اور دل کی دھک دھک آپس میں الجھ رہی تھیں اور پھر جوں ہی سوئی نے بارہ کے ہندسے کو چھوا وہ خود پر ضبط کھوتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اتنی اہمیت اختیار کر گئی ہے ژالے آفریدی تمہارے لیے کہ تم رخ کی برتھ ڈے تک بھول جاؤ۔" منہ پر ہاتھ رکھے وہ اپنی سسکیوں کا گلا دبانے کی سعی کر رہی تھی لیکن آنسوؤں کے سیل رواں کے آگے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔ وہ جو ہر سال کئی دن پہلے ہی اہتمام سے اس کی برتھ ڈے منانے کی تیاریاں شروع کر دیتا تھا' اس بار اسے وش تک کرنا بھول گیا۔

نہ جانے کتنا وقت بیت گیا' وہ یوں ہی ہچکیوں سے روتی رہی پھر اچانک سختی سے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس کی ہمت کیسے ہوئی میری برتھ ڈے بھول جانے کی۔" وہ غصے سے تن فن کرتی اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دھاڑ سے دروازہ کھولا اور پہلا قدم اندر رکھتے ہی فریز ہو گئی۔ گلاب کی ڈھیر ساری سرخ پتیاں اس کے سر پر سے نچھاور ہوتی قدموں میں گری تھیں۔ کمرے کے وسط میں دو کرسیوں کے بیچ کرسٹل کی گول میز پر اس کے فیورٹ چاکلیٹ کیک پر موم بتیاں روشن کرتا وہ ہولے ہولے گنگنا رہا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" اور اسے نہ جانے کیا ہوا' دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو دی۔ وہ اٹھ کر اس کی جانب آ گیا تھا۔

"اپنی برتھ ڈے پر کون روتا ہے؟" اس نے اس کے دونوں ہاتھ چہرے پر سے ہٹائے تھے۔

"مجھے اپنی سوچ پر رونا آ رہا ہے۔ تم نہیں جانتے محمد خان ابھی کچھ دیر پہلے میں تمہارے بارے میں...." محمد خان نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی تھی۔

"وجہ چاہے جو بھی ہو مجھے تمہارے آنسو ہمیشہ تکلیف دیتے ہیں' پلیز رخ۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔ ادھ کھلے دروازے پر کچھ چمکا تھا۔ اس کی نظر بھٹک گئی لیکن محمد خان اس کا ہاتھ کھینچتا ٹیبل پر لے آیا تھا۔ اس کے لمس میں ڈھیر ساری اپنائیت' مان' اعتماد' پناہ سب کچھ تھا۔

"تمہارا بریسلیٹ بہت پیارا ہے۔ اس نے دیا ہے۔" وہ اس کی کلائی کی طرف اشارہ کرتا پوچھ رہا تھا۔ ماہ رخ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"بہت اچھی چوائس ہے اس کی۔"

"اس کا اندازہ تمہیں بریسلیٹ نہیں مجھے دیکھ کر ہو جانا چاہیے تھا۔" اس نے مصنوعی کالر اکڑائے۔ محمد خان کو ہنسی آ گئی۔

بہت انمول پل تھے وہ۔ اسے لگا اس نے اپنی پوری زندگی جی لی ہو۔ "تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو محمد خان! سدا ایسے مسکراتے رہو۔" اس نے جھلملاتی نگاہوں سے اس کے معصوم خوبرو چہرے کا بوسہ لیا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ پلٹی تو ٹھٹک کر رک گئی۔ مجتبیٰ کی شعلے برساتی آنکھیں اس کا چہرہ جھلسانے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں بے اعتباری کی یہ کیسی آگ تھی جس نے لمحہ بھر میں ماہ رخ کا وجود خاکستر کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بابا کی انجائنا کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ ان کے بزنس فرینڈ اپنی ریڑھ کی ہڈی کے چیک اپ کے لیے لندن جا رہے تھے۔ انہوں نے لگے ہاتھوں بابا کو بھی اپنے ساتھ چل کر اپنا تفصیلی چیک اپ اور مکمل علاج کروانے کی آفر کی۔ جو انہوں نے تھوڑی سی پس و پیش کے بعد قبول کر لی تھی۔ بزنس کے حوالے سے انہیں کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ مجتبیٰ نے سب کچھ بہت اچھے طریقے سے سنبھال لیا تھا اور اسلام آباد والی نئی

برانچ انہوں نے محمد خان کے حوالے کر دی تھی۔ یہ نئی برانچ اس کے لیے ٹاپ فلور پر چڑھنے کے لیے پہلی سیڑھی کی مانند تھی اور وہ اس سلسلے میں بہت پر اعتماد تھا۔ مجتبیٰ' ماہ رخ کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہا تھا۔

اسے اکیلے میں اس سے بات کرنے کا کوئی موقع نہیں مل پا رہا تھا اور سب کی موجودگی میں وہ یوں اس سے لاتعلق ہو کر بیٹھتا کہ نگاہ غلط ڈالنے کا بھی روادار نہ ہوتا۔ ماہ رخ کے لیے یہ صورت حال بہت پریشان کن تھی۔ وہ اس سے کھل کر بات کرنا چاہتی تھی۔ اپنی پریشانی میں گھرے رہنے کے باوجود اسے محسوس ہوا محمد خان کچھ بجھا بجھا سا ہے' گم سم اور اداس۔

"محمد خان! کیا مجھے تم سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہے کہ تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟" اس کی گہری بھوری آنکھیں اس وقت بہت اداس لگ رہی تھیں۔ پژمردہ وجود اور تھکے تھکے اعصاب۔

"ان کے ہاں وٹے سٹے کا رواج ہے رخ! انہوں نے بدلے میں شموئیل لالہ کے لیے تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔" ماہ رخ سناٹوں میں گھر گئی۔ محمد خان نے محض ایک نظر اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"تم پریشان مت ہو رخ! میں اس معاملے میں تمہیں انوالو نہیں کروں گا۔"

"تم نے ژالے سے بات کی؟ وہ کیا کہتی ہے؟"

"وہ بے بس ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔" اس کا انداز شکست خوردہ سا تھا۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے رخ! خواہش کی خوشنما تتلی خود ہی ہتھیلی پر آ بیٹھتی ہے اور اگر چھونے کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو اڑ کر دور کہیں بسیرا کر دیتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے رخ۔" ماہ رخ کا دل پگھلنے لگا تھا۔ وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے چپ چاپ پگھلتی رہی۔ موم کی مانند! مجتبیٰ کا رویہ' محمد خان کی خواہش اور میری محبت' اسے اپنا وجود کئی ٹکڑوں میں منقسم ہوتا محسوس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے تمہاری شادی سارہ کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے محمد خان! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟" مما نے بہت آرام سے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

"واٹ؟" وہ اچھل ہی تو پڑا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا برائی ہے سارہ میں؟"

"کوئی برائی نہیں ہے سارہ میں۔ لیکن میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں مما۔" بلا ارادہ اس کے منہ سے پھسل گیا تھا۔ وہ ایسی کسی بھی سچویشن میں مما کو یہ بات بتانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ رخ نے کہا تھا میں خود مما سے اس سلسلے میں بات کر لوں گی' تم جلد بازی سے کام مت لینا' لیکن اب....

"یس! آئی نو۔" مما کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی تھی جبکہ محمد خان اپنے رنگ کرتے موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس کی بہت اہم کال تھی۔ اسے ضروری میٹنگ میں شرکت کے لیے فوراً اسلام آباد پہنچنا تھا۔

"اس موضوع پر ہم پھر بات کریں گے مما۔" وہ جلدی سے باہر نکل گیا تھا۔

"اوہ پھپھو! اس نے آپ کی مصروفیت اور حد سے بڑھے اعتبار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے گھر کے ساتھ ساتھ محمد خان پر بھی قبضہ جما لیا ہے۔ وہ محمد خان کو اپنی ذاتی پراپرٹی سمجھتی ہے۔ پھانس لیا ہے اس نے محمد خان کو۔"

اگر سارہ مجھے اس بات کا احساس نہ دلاتی تو.... ٹھیک کہہ رہی تھی وہ میری حد سے بڑھی ہوئی لاتعلقی نے اسے اتنا شیر بنایا ہے کہ میرے بیٹے سمیت آہستہ آہستہ سب پر اپنا قبضہ جما لیا۔ سوتیلی اولاد پر اتنا اعتماد' مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی بے وقوف ہو گا؟ ان کے پاس کف افسوس ملنے کے لیے وجوہات کی کمی نہیں تھی۔

"مجتبیٰ! رکیں پلیز۔" سیڑھیاں اترتے مجتبیٰ کو دیکھ کر ماہ رخ تیر کی سی تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔ وہ بادل ناخواستہ رکا تھا۔

"کیوں کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ ایسا؟ میرا قصور تو بتائیں کس بات کی اتنی کڑی سزا دے رہے ہیں؟ میری طرف دیکھیں مجتبیٰ پلیز۔" اتنے دنوں کی

اذیت آنکھوں کے رستے لہو بن کر ٹپکنے کو بے تاب تھی۔ وہ لب بھینچے غصے سے اسے دیکھتا زہر خند لہجے میں بولا۔

"خود کو ذرا غور سے آئینے میں دیکھو تمہارا ایک ایک عضو تمہیں تمہاری اصلیت بتائے گا۔"

"ایسی دل دکھانے والی باتیں مت کریں مجھ سے پلیز' میں نے تو آپ سے محبت کی ہے۔"

"محبت کا لفظ تمہاری زبان پر جچتا نہیں ہے۔ جسے رشتوں کے تقدس کے احترام کا پتا نہ ہو اسے کیا معلوم کہ محبت کیا ہے؟ تمہاری اصلیت' تمہارا بے نقاب چہرہ سب میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔"

"نہیں' آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ پلیز مجھے بے اعتباری کی موت مت ماریں۔ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں' آپ کے علاوہ....."

اسے لگا آج روز حشر ہے۔ لیکن نہیں روز حشر انسان سے اس کے ناکردہ گناہوں کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ کسی غلط فہمی کی بنا پر اسے تپتی ریت پر نہیں گھسیٹا جائے گا۔

"بکواس بند کرو' الو کا پٹھا سمجھ رکھا ہے کیا مجھے؟ کون لگتا ہے وہ تمہارا؟ بھائی' اپنی عمر سے چھوٹے سوتیلے بھائی کے ساتھ..... چھی۔" اس نے زمین پر تھوکا تھا اور ماہ رخ کو لگا اسے کسی نے بے رحمی سے دہکتے الاؤ میں پھینک دیا ہو۔ اس کا وجود جلنے لگا تھا۔ آنکھیں' خواب' خواہش' محبت ایک ایک کر کے سب جل کر خاکستر ہوئے۔

"ممّا!" ان اذیت ناک لمحوں میں اس نے خدا کے بعد بابا اور محمد خان کو پکارنا چاہا لیکن سامنے سے آتی ممّا کو دیکھ کر اس کی امیدوں کا گل ہوتا چراغ ایک بار پھر بھڑک کر جل اٹھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ گل ہوتا چراغ بجھنے سے پہلے ایک بار ضرور بھڑک کر جل اٹھتا ہے ہمیشہ بجھنے کے لیے۔

"ممّا! مجتبیٰ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے وہ مجھ سے..... انہیں لگتا ہے۔" آنکھوں کے سامنے تنی دھند کی چادر میں ممّا کا چہرہ دھندلا رہا تھا۔ وہ ممّا کے سامنے مجتبیٰ کی غلط فہمی کو زبان نہیں دے پا رہی تھی۔

"کیوں کھیل رہی ہو یہ ڈبل گیم؟ ایک طرف مجتبیٰ دوسری طرف محمد خان! کیا تم نہیں جانتیں دو کشتیوں کا مسافر کبھی منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔" اس کے قدموں سے کسی نے زمین کھینچ لی تھی۔

"ممّا! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"اب ہی تو ٹھیک سمجھی ہوں۔ میرے بیٹے کو تمہارے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا' اٹھتے' بیٹھتے' سوتے جاگتے' کھاتے پیتے اس کے حواسوں پر صرف رخ چھائی رہتی ہے۔ اسے میں کیا نام دوں ہاں؟" اس نے اذیت سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

"کیوں آکاس بیل کی مانند میرے بیٹے کے وجود سے چمٹ گئی ہو؟ دور کیوں نہیں ہو جاتیں اس سے' پیچھا چھوڑ دو میرے بیٹے کا۔" اتنے بے رحم الفاظ تو کامی کی ماں بھی استعمال نہیں کرتی تھی۔ اس کے مکوں' طمانچوں اور گھونسوں سے اتنی تکلیف کامی کو نہیں ہوتی ہوگی' جتنی اس وقت اسے ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کیں۔ اسے لگا اگر اس وقت خاموش رہی تو ان الزاموں کا بوجھ ساری زندگی اس کے لیے خلش بنا رہے گا۔

"ممّا! ایسا کچھ نہیں ہے آپ....."

"اچھا! تو پھر یہ کیا ہے؟" انہوں نے تمسخرانہ انداز میں کپتے ہاتھوں میں پکڑی تصویریں اس کے منہ پر اچھال دیں۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتی ہوئی' انگلی کی پور سے اس کے آنسو چنتا محمد خان' اس کا ہاتھ کھینچ کر ٹیبل کی طرف لے جاتا' گفٹ کھولنے پر مصر محمد خان اور اسے مصنوعی خفگی سے گھورتی رخ۔ وہ انمول' قیمتی پل اس وقت اس کے قدموں میں پڑے سسک رہے تھے۔ تو یہ سب کچھ باقاعدہ پلان شدہ تھا۔ اس کی پتھرائی نگاہیں بے ساختہ ریلنگ پر جھکی سارہ کی طرف اٹھی تھیں۔ وہ کندھے اچکاتی عیاری سے مسکرا دی اور اسی پل ماہ رخ غش کھا کر پورے قد سے ڈھے گئی تھی۔



"تائیں! جب تک رخ اپنے ہاتھوں سے نہیں کھلائے گی میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ رخ! مجھے ڈر لگ رہا ہے' تم میرے ساتھ سو جاؤ نا' پلیز۔"

"رخ! کہاں ہو تم' جلدی سے میرے سامنے آجاؤ۔" وہ دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پہ رکھے سامنے آتی ایک ایک چیز سے ٹکرا رہا تھا۔

"اف محمد خان! کیوں کر رہے ہو ایسا؟ چوٹ لگ جائے گی تمہیں۔"

"آج کا دن میرے لیے لکی ہے نا تو میں سب سے پہلے تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں آکاس بیل کی مانند میرے بیٹے کے وجود سے چمٹ گئی ہو؟"

"ممّا! خوب صورت ہیں اور تم پیاری ہو' بہت پیاری۔"

"پیچھا چھوڑ دو میرے بیٹے کا۔ کیوں اس کے حواسوں پر سوار ہو؟" اس کی بند آنکھوں سے آنسو کنپٹی سے بہتے تکیے میں گم ہو رہے تھے۔ وہ آنکھیں کھولنے سے گریزاں ساری دنیا سے کترا رہی تھی۔

مجتبیٰ نے حقارت سے اس پر تھوک دیا تھا۔ ریلنگ پر جھکی سارہ زور' زور سے قہقہے لگاتی اپنی فتح کا جشن منا رہی تھی' ممّا کی کٹیلی۔ تمسخر اڑاتی نگاہیں اس کے وجود کے آرپار ہو رہی تھیں۔ لیکن اسے گلابی کمبل میں لپٹا اپنا گلابی گڈا یاد آ رہا تھا۔ اپنا پلو پکڑے پیچھے پیچھے پھرتا نیکر اور بنیان میں ملبوس اپنا شہزادہ یاد آ رہا تھا۔ اسے آوازے کسنے والے آوارہ لڑکوں پر پل پڑتا اپنا غیرت مند بھائی یاد آ رہا تھا۔

"ہاں بھائی! بھائی ہی تو ہے وہ میرا' اس نے میری ماں کی کوکھ سے جنم نہیں لیا' اس کی رگوں میں میرے باپ کا خون نہیں دوڑ رہا' میں نے اسے زبان سے کبھی بھائی نہیں کہا' لیکن میرے لیے وہ میرا سب سے حقیقی اور شرعی رشتہ ہے۔ میرا جرم یہی ہے کہ میں نے رشتے کو رشتے کے نام سے نہیں پکارا۔ اتنا چھوٹا جرم اتنی بڑی سزا۔"

"آہ....." اس کے لبوں سے ایک ٹوٹی ہوئی کراہ نکلی تھی۔ محمد خان سرخ چہرہ لیے اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ بے حد فکر مند اور ملول۔

"جہاں زیب انکل نے کہا ہے تمہیں کوئی شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ میرے پیچھے ایسا کیا ہوا تھا رخ؟" اسے محمد خان کی لہو رنگ آنکھوں سے خوف آیا تھا۔ مرنے یا مر جانے پر تلی آنکھیں۔ (بیٹیوں کو ماؤں کے راز رکھنے آتے ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے' ماں سگی ہے یا سوتیلی؟)

"تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا محمد خان؟"

"تمہاری اس حالت کا ذمہ دار کون ہے رخ مجھے بتاؤ؟"

"میں نے تمہیں کھانا کھانے سے منع کیا تھا' تم نے پانی کیوں نہیں پیا؟"

"رخ! کسی نے تم سے کچھ کہا تھا؟"

"کیا تم میرے ساتھ باسی چکن پلاؤ کھانا پسند کرو گے محمد خان؟"

"رخ میں تم سے....."

"مجھ سے اونچی آواز میں بات مت کرو۔" اس نے خفگی سے ٹوکا۔

"اوکے! سوری!" وہ فوراً" دھیما ہوا تھا۔ وہ بڑی تھی' اس نے رعب جھاڑا وہ چھوٹا تھا' فوراً" رعب میں آگیا۔ لیکن یہ بات وہ دنیا کو نہیں سمجھا سکتی تھی۔ وہ دنیا کو اپنا دل کھول کر نہیں دکھا سکتی تھی کہ دلوں کا حال صرف اللہ جانتا ہے۔

✲ ✲

چار دن بعد اسے اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور ان چار دنوں میں محمد خان کو اس کے سوا نہ کوئی دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی کچھ سجھائی' پانچویں دن وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"تم مجھے اپنی کیا سمجھتے ہو محمد خان؟"

"میں نہیں جانتا ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے' یہ تعلق کی کون سی قسم ہے؟ مجھے بس اتنا پتا ہے کہ تمہاری ہر بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے' مجھے لگتا ہے میری کامیابیوں کی سب سے زیادہ خوشی تمہیں ہوتی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک بار تم

نے یہ ہتھیلی چومتے ہوئے کہا تھا۔ ان ہاتھوں سے کبھی کوئی غلط کام مت کرنا خان' ورنہ اس کے پیچھے میں خود کو ذمہ دار سمجھوں گی۔ اس دن سے لے کر ہر پل' ہر لمحہ مجھے تمہاری بات یاد رہی۔" ماہ رخ کے جلتے دل پر نرم ٹھنڈی میٹھی پھوار برسنے لگی تھی۔ دل پہ دھرا سارا بوجھ آہستگی سے سرک رہا تھا۔ ایک جذب کی سی کیفیت میں وہ اس کے زخموں پر مرہم رکھتا جارہا تھا۔

"بس! میرے لیے یہی کافی ہے۔ مجھے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں' میں مزید کسی کو وضاحت نہیں دوں گی۔"

شام کو اس کے ساتھ لان میں چہل قدمی کرتے وہ کہہ رہی تھی۔

"تم ژالے سے کہو مجھے شموئیل آفریدی کا رشتہ منظور ہے۔" اس نے اپنی آنکھیں بھیگنے نہیں دی تھیں۔

"نہیں! میں ایسا کچھ نہیں کہوں گا۔ تم نے کہا تھا ناکہ تم کسی سے محبت کرتی ہو؟"

"میں نے تو یہ بھی کہا تھا۔ اگر تمہاری خوشی کی بات ہوئی تو ایسی ہزار محبتیں قربان۔" لیکن محمد خان اس کے ارمانوں پر اوس گرا کر اپنا گلشن آباد نہیں کرسکتا تھا' کبھی نہیں۔

"نہیں! رخ میں تمہاری محبت....."

"وہ محبت نہیں تھی محمد خان۔" اس کا لہجہ بہت پست تھا۔

"اس نے دھوکہ دیا ہے؟"

"نہیں! میں نے دھوکہ کھایا ہے۔" اس نے اپنی آنکھوں کی ساری نمی اپنے اندر انڈیلی تھی۔ محمد خان نے کہا تھا' وجہ چاہے جو بھی ہو مجھے تمہارے آنسو تکلیف دیتے ہیں اور وہ اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

بابا لندن سے واپس آگئے تھے اور ان کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ اس رات انہیں سوپ پلاتے وہ کہہ رہی تھی۔

"بابا! مجھے شموئیل آفریدی سے شادی کرنی ہے' ان کے ہاں وٹے سٹے کا رواج ہے' تو وہ بدلے میں محمد خان کے ساتھ ژالے آفریدی کی شادی کرنے پر تیار ہیں۔" بابا نے بہت چونک کر اس کے جھکے سر کو دیکھا تھا۔

"لیکن بیٹا! میں نے تو تمہاری شادی مجتبیٰ کے ساتھ کرنے کا سوچ رکھا تھا؟"

"میں ان کے قابل نہیں ہوں بابا۔" اس نے اپنا سر مزید جھکا لیا تھا۔

"اور تمہاری مما! وہ تو محمد خان کی شادی سارہ سے کرنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں۔" انہیں صحیح معنوں میں پریشانی ہوئی تھی۔ حالانکہ لندن سے واپسی کے بعد وہ سب سے پہلے اس موضوع پر اس سے بات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن کچھ تھا ایسا جو انہیں روک گیا تھا اور اب..... اس پر گزرے واقعہ کو ان سے بہت آسانی سے چھپا لیا گیا تھا۔ وہ بہت غور سے باؤل میں چمچہ ہلاتی اپنی بے حد سلجھی ہوئی بیٹی کو دیکھ رہے تھے' جس نے زندگی کے کسی مقام پر انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔

"سارہ کے لیے اور بہت سے رشتے مل جائیں گے بابا! لیکن محمد خان کو پھر کوئی ژالے نہیں ملے گی۔" وہ بنا ان کی طرف دیکھے زور' زور سے پلکیں جھپکتی باؤل اٹھائے باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼

اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے وہ محویت سے اپنے سفر پر گامزن چاند کو تک رہی تھی۔ مٹا مٹا سا کاجل اس کی آنکھوں کے کنارے پھیل گیا تھا۔ کلائیوں میں سجے گجرے مرجھا چکے تھے۔ اس نے سبز و پیلے امتزاج کا شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔ اس کے وجود سے مہندی اور ابٹن کی ملی جلی مہک اٹھ رہی تھی۔ آج اس کی اس گھر میں آخری رات تھی۔ اس کے ولیمہ والے دن محمد خان کا ژالے کے ساتھ نکاح تھا۔

بابا نے کہا تھا وہ سب سنبھال لیں گے اور انہوں نے واقعی سب سنبھال لیا تھا۔ دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا تھا' اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ محمد خان اداسی سے مسکراتا اندر آگیا تھا۔

"آئس کریم کھانے چلوگی؟"

"نہیں! تمہارا گلا خراب ہوجائے گا۔" نم آنکھوں سے مسکراتے اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں اپنی نہیں تمہاری بات کررہا ہوں۔" "کون کہتا ہے مرد رویا نہیں کرتے۔ صرف آنکھ سے آنسو نکالنے ہی کو تو رونا نہیں کہتے' کوئی ان کے اندر جھانکے نمکین آنسوؤں کا سمندر موجزن دکھائی دے گا۔

"اس حلیے میں؟" وہ جان بوجھ کر ہنسی تھی۔

"ہاں! کیا فرق پڑتا ہے؟"

"اس وقت سب سو رہے ہیں خان! ہمارا یوں باہر نکلنا مناسب نہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو رخ! لیکن میں تمہارے ساتھ اس آخری رات کے چند حسین پل اپنی مٹھی میں قید کرنا چاہتا ہوں۔" اور وہ بڑی سی چادر اوڑھ کر اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھی آہستگی سے اپنی انگلی کی نوک سے آنسو جھٹکتی پونچھ رہی تھی۔

"جب کبھی تم اپنی یہ مٹھی کھولو گے تو کیا نکلے گا محمد خان؟"

"خوب صورت مہکتی یادیں! جو میری ساری اداسی کہیں دور لے جائیں گی۔"

☼ ☼

اگلے دن اس نے نم آنکھوں کے ساتھ دلہن بنی ماہ رخ کو قرآن مجید کے سائے تلے رخصت کیا تھا۔ شدید ترین حیرت اور بے یقینی میں گھری مما ان دونوں کے چہروں پر بے سکونی تلاشتی رہ گئی تھیں۔ جن کی نیتوں میں کھوٹ اور دلوں میں چور ہوں' ان کے چہروں پر اس قدر اطمینان نہیں جھلکا کرتا' بہت غلط وقت پر انہیں اس بات کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے بیسویں بار آنکھیں مسلتے ہوئے دیکھا تھا۔ شاید کہ سامنے کا منظر کوئی الوژن' کوئی واہمہ' کوئی خواب ہو' لیکن حقیقت مجسم ہوکر اپنا وجود منوا چکی تھی۔

سامنے اسٹیج پر دلہن بنی بیٹھی ماہ رخ کے دائیں جانب کسی فاتح کی مانند سر اٹھائے سرشار سا شموئیل آفریدی' بائیں جانب سجی سنوری' کچھ جھینپی جھینپی سی ژالے اور ان کے عقب میں ہنستا مسکراتا محمد خان' کچھ منظر کتنے خوب صورت اور مکمل ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا' یہ کیسا احساس زیاں تھا؟ ماہ رخ نے مجتبیٰ کی ہتھیلی پر بریسلیٹ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"زندگی دوبارہ کسی کو یہ پہنانے کا موقع دے تو اس سے محبت بے شک مت کریں لیکن اس پر اعتبار ضرور کیجیے گا کیونکہ وہ آپ کی محبت کے بغیر ساری زندگی رہ لے گی لیکن اعتبار کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ پائے گی۔" مجتبیٰ کی ہتھیلی پر آگ لگ گئی تھی۔ اس نے سارہ کو اور سارہ نے اسے دیکھا تھا اور پھر دونوں نے ایک ساتھ مما کو' دوسرے ہی لمحے تینوں کی نگاہیں جھک گئیں۔ انہیں حقیقت کے آئینے میں اپنا اپنا عکس نظر آگیا تھا۔

شموئیل آفریدی شادی کے بعد اسے اپنے ساتھ پشاور لے آیا تھا۔ اس کے اور محمد خان کے بیچ ڈھیر سارا زمینی فاصلہ در آیا تھا۔ لیکن اس نے ہواؤں کو اپنا پیامبر نہیں بنایا تھا۔ سرمئی گاتے پنچھیوں کے پنجوں میں محبت نامے نہیں اڑسے تھے۔ اس نے چاند میں چاند چہرے کا عکس ڈھونڈ لیا تھا۔

"یہ تم چاند میں ہر وقت کیا تلاشتی رہتی ہو؟" شموئیل کو اپنی محبوب بیوی ہمیشہ ایک خوب صورت راز لگتی تھی۔ مہربان اور پاکیزہ۔

"مجھے اس میں کسی کا عکس نظر آتا ہے۔" وہ مبہم سا مسکرائی تھی۔ بابا کا فون آیا تھا' پوچھ رہے تھے۔

"شموئیل کیسا ہے ماہ رخ؟" تب اس نے کہا تھا۔

"میں نہیں جانتی بابا وہ کیسے ہیں' جب آپ میرے سامنے ہوتے ہیں مجھے وہ بھول جاتا ہے لیکن جب میں اسے دیکھتی ہوں مجھے آپ یاد آجاتے ہیں۔" بابا مسکرا دیے تھے اور شموئیل کا انتظار کرتے حسب معمول چھت پر ٹہلتے ہوئے وہ اپنے دو سالہ بیٹے کو گود میں لے کر دور چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"محمد خان! وہ دیکھو چندا ماموں!" بھائی' بہنوں کے لیے چاند ہی تو ہوتے ہیں۔

☼ ☼